ماہنامہ

محدث

بنارس

جنوری وفروری ۲۰۱۴ء ◆ رجب وشعبان ۱۴۴۵ھ

سورہ فاتحہ کی پہلی آیت میں ’رب العالمین‘... ۲
آج ہماری مسجدیں محفوظ کیوں نہیں؟ ۱۱
سلفیت کا تعارف تاریخ کے آئینے میں ۱۵
فہم حدیث میں غلطی کے اسباب ۲۶
موسم سرما اور غور وفکر کے چند پہلو ۵۸

دار التالیف والترجمہ، بنارس، الہند

دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلہ محدث بنارس

جلد: ۴۱
شمارہ: ۱-۲

رجب وشعبان
۱۴۴۵ھ
جنوری وفروری
۲۰۲۴ء

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد ایوب سلفی

معاون مدیر
اسرار احمد ندوی

مجلس مشاورت
مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا صلاح الدین مقبول مدنی
مولانا محمد یونس مدنی
ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

اس شمارہ میں

۱-سورہ فاتحہ کی پہلی آیت میں 'رب العالمین'...	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲-کلمۂ توحید کی فضیلت	ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ	۸
۳-آج ہماری مسجدیں محفوظ کیوں نہیں؟	مدیر	۱۱
۴-سلفیت کا تعارف تاریخ کے آئینے میں	مطیع الرحمٰن السلفی	۱۵
۵-فہم حدیث میں غلطی کے اسباب	ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر	۲۶
۶-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدمت خلق	ابوصالح دل محمد سلفی	۴۱
۷-ایک رافضی سے امام جعفر صادق...	عبدالعلیم سلفی	۴۹
۸-موسم سرما اور غور وفکر کے چند پہلو	محمد محبّ اللہ المحمدی	۵۸
۹-استاذ الاساتذہ مولانا نیاز احمد فیضی...	سمیع اللہ تیمی	۶۴
۱۰-'فہم حدیث کے بنیادی اصول...	ابوتحریر	۶۷
۱۱-اخبار جامعہ	مولانا دل محمد سلفی	۷۱
۱۲-باب الفتاویٰ	مولانا نور الہدیٰ سلفی	۷۶

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	300	روپئے
خصوصی تعاون:	1000	روپئے
بیرون ممالک:	50	ڈالر امریکی
فی شمارہ:	30	روپئے

ترسیل زر کا پتہ

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **INDIAN BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: IDIB000V509

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

سورہ فاتحہ کی پہلی آیت میں 'رب العالمین' کا مفہوم اوراس کے تقاضے

عبداللہ سعود سلفی

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اوراس کی پہلی سورہ کی پہلی آیت 'الحمدللہ رب العالمین' ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: ہرطرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جورب العالمین ہے۔یعنی سارے جہان کا پالنہار۔

رب العالمین دوالفاظ ہیں، ایک 'رب' دوسرا 'العالمین'۔ رب کا معنی مالک ہوتا ہے، گھر کے مالک کو'رب الدار' کہا جاتا ہے۔دوسرا معنی تربیت کرنا، پرورش کرنا، پالنا پوسنا ہوتا ہے۔جیسا کہ والدین کے لئے دعا سکھائی گئی ہے 'رب ارحمهما كما ربياني صغيرا' اے رب! میرے والدین پررحم فرما جیسے انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھے پالا پوسا تھا، میری تربیت کی تھی۔

دوسرا لفظ 'العالمین' ہے جو عالَم کی جمع ہے۔ عالَم دنیا کو کہتے ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق اس سے مراد انس وجن ہیں، یہی دونوں مخلوق مکلّف ہیں جیسا کہ قرآن مجید کے نزول کا مقصد بتایا گیا ہے۔لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (فرقان:۱) تاکہ سارے جہان والوں کے لئے آگاہ کرنے والا ہو۔

عالمین سے مراد تمام مخلوقات بھی ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب العالمین کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرعون کوجواب دیا تھا: قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ. قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (شعراء: ۲۳-۲۴) فرعون نے کہا: اور یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: آسمانوں اور زمین اوران کے درمیان تمام چیزوں کا رب۔

ایک مسلمان نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے،سورۂ فاتحہ پڑھنا لازمی ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔اس سورہ کو اچھی طرح سمجھنا بھی چاہئے۔جب تک ہم اس کے مفہوم کو نہ سمجھیں گے ہمیں شعور نہ ہو پائے گا کہ ہم اللہ سے کیا مناجات کررہے ہیں۔

رب کے معنی ومفہوم اوراس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا ہوگا۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد ﷺ تک نیک بندوں کی دعاؤں اوران کے خطاب کا اسلوب بھی بتایا ہے۔وہ لوگ اللہ کو کیسے پکارتے تھے اور اللہ ان سے کیسے مخاطب ہوا ہے۔یہ دنیا کے سب سے برگزیدہ اور نیک لوگ تھے جو ہمارے لئے اسوہ ونمونہ ہیں۔

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو غار حرا میں منصب نبوت سے سرفراز کرتے ہوئے سب سے پہلے جو پڑھایا گیا اس

پر غور کریں۔حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کے حکم سے قرآن کی پانچ آیتوں کو لے کر آئے تھے،وہ یہ ہیں:اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (علق:۱-۵)پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے۔انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔پڑھو اور تمہارا رب بڑے کرم والا ہے۔جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

یہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء ہے اور آپ ﷺ کو رب کے نام سے پڑھایا جارہا ہے۔اس سے رب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔جس کی طرف قرآن مجید کی پہلی آیت میں اشارہ ہے۔

دوسرا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت عطا کرنے کا ہے۔جب وہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے نکل کر مصر جارہے تھے۔راستہ میں کوہ طور پر آگ نظر آئی تو اپنی بیوی سے کہا ٹھہرو میں آگ لے کر آتا ہوں تاکہ گرمی حاصل کی جائے۔جب کوہ طور پہنچے تو آواز سنی:فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِیْ یَا مُوسَی. إِنِّیْ أَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ إِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی (طہ:۱۱-۱۲)جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دی گئی،اے موسیٰ! یقیناً میں ہی تیرا رب ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے کیوں کہ تو پاک وادی طویٰ میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ نے بتایا کہ میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔إِنِّیْ أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (قصص:۳۰)

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سے جب غلطی سرزد ہوئی اور ان کو اپنی خطا کا احساس ہوا تو اللہ کو رب کے لفظ سے ہی پکارا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔قَالاَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ (اعراف:۲۳)ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اگر تو ہمیں معاف نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہوجائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہابیل وقابیل میں اختلاف ہوا،معاملہ قتل تک پہنچا،اس وقت ان میں جو متقی تھا اس نے اپنے بھائی سے عاجزی کی تھی کہ:لَئِن بَسَطتَ إِلَیَّ یَدَکَ لِتَقْتُلَنِیْ مَا أَنَاْ بِبَاسِطٍ یَدِیَ إِلَیْکَ لَأَقْتُلَکَ إِنِّیْ أَخَافُ اللّهَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ (مائدہ:۲۸)اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا،میں اللہ رب العالمین سے خوف کھاتا ہوں۔یعنی وہ سب اللہ کو رب العالمین جانتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بھی قرآن مجید میں مذکور ہے۔تقریباً ہزار سال تک رہے،قوم کو نصیحت کرتے رہے۔جب عذاب آیا تو اللہ کو رب کے لفظ سے ہی پکارا۔وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْأَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّاراً (نوح:۲۶)اے رب! زمین پر کسی کافر کا گھر نہ چھوڑ۔یعنی سب کافروں کو غرق کرکے ختم کردے۔

اس عذاب میں ان کا بیٹا بھی ڈوب گیا تو اپنے رب کو پکار کر کہا:فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابُنِیْ مِنْ أَهْلِیْ (ہود:۴۵)اے رب!

میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا نہیں اس کا عمل نیک نہیں تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے توبہ کرتے ہوئے کہا: قَالَ رَبِّ إِنِّیۡ أَعُوذُ بِکَ أَنۡ أَسۡأَلَکَ مَا لَيۡسَ لِیۡ بِهِ عِلۡمٌ (ہود:۴۷) اے رب! میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم ہی نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہت سی دعائیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ سب میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کو رب کے لفظ سے پکارا ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیتوں میں ہے۔

وَإِذۡ قَالَ إِبۡرَاهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هَـذَا بَلَداً آمِناً وَارۡزُقۡ أَهۡلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ (بقرہ:۱۲۶)

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا إِنَّکَ أَنتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ . رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَکَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّکَ (بقرہ:۲۷-۲۸)

وَإِذۡ قَالَ إِبۡرَاهِيۡمُ رَبِّ أَرِنِیۡ کَيۡفَ تُحۡيِـیۡ الۡمَوۡتَی (بقرہ:۲۶۰)

وَإِذۡ قَالَ إِبۡرَاهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هَـذَا الۡبَلَدَ آمِناً وَاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ أَن نَّعۡبُدَ الأَصۡنَامَ (ابراہیم:۳۵)

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُولاً مِّنۡهُمۡ يَتۡلُو عَلَيۡهِمۡ آيَاتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَةَ وَيُزَکِّيۡهِمۡ (بقرہ:۱۲۹)

رَّبَّنَا إِنِّیۡ أَسۡکَنتُ مِن ذُرِّيَّتِیۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيۡمُواۡ الصَّلاَةَ (ابراہیم:۳۷)

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِيۡمَ الصَّلاَةِ وَمِن ذُرِّيَّتِیۡ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَاء (ابراہیم:۴۰)

حضرت ایوب علیہ السلام جب سخت تکلیف میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا: وَأَيُّوبَ إِذۡ نَادَی رَبَّهُ أَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرۡحَمُ الرَّاحِمِيۡنَ (انبیاء:۸۳) (ایوب علیہ السلام کی اس حالت کو یاد کرو) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعات میں جو دعائیں مذکور ہیں سب میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو رب کے لفظ سے ہی پکارا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان جو بحث ہوئی تھی وہ رب العالمین کو لے کر ہوئی تھی۔ فرعون بہت بڑا ظالم بادشاہ تھا وہ اپنے کو ہی رب سمجھنے لگا تھا۔ سورۂ نازعات: ۲۴ میں اللہ نے بیان کیا ہے: فَحَشَرَ فَنَادَی. فَقَالَ أَنَا رَبُّکُمُ الۡأَعۡلَی (نازعات:۲۳-۲۴) اس نے (اپنی قوم کو) جمع کر کے اعلان کیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے پاس جا کر رب العالمین کو یاد دلا کر کہا: وَقَالَ مُوسَی يَا فِرۡعَوۡنُ إِنِّیۡ رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الۡعَالَمِيۡنَ (اعراف:۱۰۴) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا، اے فرعون! میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں۔

فرعون رب العالمین کا منکر تھا جیسا کہ سورۂ شعراء کی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ. قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إن كُنتُم مُّوقِنِينَ. قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ. قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ. قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِیْ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُون (شعراء:۲۳-۲۷)فرعون نے کہا: رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) بتایا آسمانوں اور زمین اور ان میں پائی جانے والی ہر چیز کا رب یعنی پالنہار ہے اگر تم یقین رکھو۔فرعون نے اپنے حواریوں سے کہا سن رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واضح کیا کہ وہ تم سب کا اور تمہارے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔(اس پر) فرعون اپنے لوگوں سے مخاطب ہوا کہ تمہارا یہ رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے بالکل ہی پاگل ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ مشرق ومغرب اور ان کے مابین ہر چیز کا رب ہے (یعنی سب کا پالنے پوسنے والا)۔اگر آپ لوگ کچھ عقل وسمجھ رکھتے ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو رب العالمین کی پرستش کے لئے بلاتے تھے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں تفصیل سے مذکور ہے إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّکَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاء (مائدہ: ۱۱۲) جب حواریوں نے عرض کیا، کیا آپ کا رب ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل فرمادے۔ان کے مطالبہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی کہ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاء (مائدہ:۱۱۴) اے ہمارے رب ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل فرمادے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو رب کی عبادت کے لئے دعوت دیتے تھے۔اللہ تعالیٰ جب ان سے سوال کرے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے اپنے لئے اور اپنی ماں کی عبادت و پوجا کے لئے کہا تھا؟ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے، وہ عالم الغیب ہے سب کچھ جانتا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلاَّ مَا أَمَرْتَنِیْ بِهِ أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ (مائدہ:۱۱۷) میں نے ان لوگوں سے وہی بات کہی تھی جو تیرا حکم تھا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو بھی اللہ کا حکم تھا کہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچائیے کہ سب کا رب اور پالنہار صرف اللہ ہی ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۳۹ میں ہے: قُلْ أَتُحَآجُّونَنَا فِیْ اللّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ (بقرہ:۱۳۹) اے نبی ان سے کہیے کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے حجت کرتے ہو؟ حالانکہ وہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

سورۂ بقرہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے رب کے مفہوم کو بہت واضح انداز میں بیان کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کے ذریعہ ہم کو حکم دیا ہے کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الأَرْضَ فِرَاشاً وَالسَّمَاء بِنَاء وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ

رِزْقاً لَّكُمْ فَلاَ تَجْعَلُواْ لِلّهِ أَندَاداً وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (بقرہ:۲۱-۲۲) اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا ہے یہی (یعنی صرف اپنے رب و پالنہار کی بندگی) تمہارے بچاؤ کا راستہ ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ طرح طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے رزق کا انتظام کیا، پس یہ سب جانتے ہوئے دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں: وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الأَرْضِ وَلاَ طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلاَّ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم مَّا فَرَّطْنَا فِي الكِتَابِ مِن شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ (انعام:۳۸) اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرندے ہیں جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری طرح کے گروہ، امت نہ ہوں۔ ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے۔ پھر سب اپنے رب یعنی پالنے پوسنے والے کے پاس جمع کئے جائیں گے۔ یعنی ہر مخلوق اور جاندار کی دیکھ ریکھ کرنے والا سب کو رزق دینے والا رب العالمین ہے۔ وہ سب کو حساب والے دن بروز قیامت میدان حشر میں جمع کرے گا۔

سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۷۲ میں ہے: وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُواْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِيْنَ. اور (اے نبی) لوگوں کو یاد دلاؤ جس وقت کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا تھا اور انہیں خود انہی کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے جواب دیا کیوں نہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے۔

یعنی اللہ رب العالمین تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرا چکا ہے تا کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں یا اپنی ضرورت وحاجت کی طلب یا پریشانی دور کرنے کے لئے دوسروں کو پکارتے ہیں، بروز قیامت جب ان کو سزا دی جائے تو کوئی عذر نہ کرسکیں۔

رب العالمین کو یاد کرتے ہوئے ہم کو اس کے مفہوم اور تقاضوں پر بھی غور کرنا چاہئے۔ جب اللہ تعالیٰ ہی کائنات کے ہر چیز کا رب و پالنہار ہے تو پھر کیا بچتا ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ یا اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے دوسروں سے فریادرسی کریں اور اس کے سامنے نذر و نیاز کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر ایمان رکھنے والے مومنوں کی صفت یوں بیان کی ہے: تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَطَمَعاً وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (سجدہ:۱۶) ان کے پہلو، پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ بھی رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔
یعنی تکلیف میں آسانی میں ہر حال میں اللہ رب العالمین کو ہی اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں۔

ایک بار اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا تھا جو جنت میں بغیر حساب وکتاب کے داخل کر دیے جائیں گے: هم الذين لا يسترقون، ولا يتطيرون، وعلى ربهم يتوكلون. (بخاری:۶۴۷۲) یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے، بدفالی نہیں لیتے بلکہ اپنے رب پر بھروسہ وتوکل رکھتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ سے طواف کعبہ میں صحابہ نے جو دعا یاد کی اور جس کو ہر حاجی کعبہ کے طواف میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھتا ہے وہ کیا ہے، ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار. بہت جامع دعا ہے، دنیا وآخرت کی ہر بھلائی کی طلب ہے اور جہنم سے پناہ اپنے رب کی مانگی جاتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ محترمہ نے اللہ کے رسول کی خدمت میں لگایا تھا، ان کا بیان ہے کہ: كان أكثر دعاء النبي ﷺ اللهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار. (صحیح بخاری:۶۳۸۹) اے ہمارے اللہ، ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔ اس دعا کو ہر حاجی ضرور پڑھتا ہے۔ یہ اس بات کی تعلیم ہے کہ ہم کو ہر بھلائی کی طلب اپنے رب سے ہی کرنا چاہئے۔

اللہ رب العالمین ہی ہر چیز کا مالک ہے۔ نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے وقت اس کے معنی ومفہوم کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ سے خطاب کرنا چاہئے۔ اگر ہمارا اپنے رب کی کبریائی وقدرت پر مکمل ایمان وبھروسہ ہو جائے تو ہم کبھی غیر اللہ کی طرف نظر نہیں اٹھا سکتے۔ ان کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتے، ان سے ہماری امیدیں ختم ہو جائیں اور یہ جان لیں کہ رب العالمین ہی ہر چیز کا خالق ومالک ہے، اس کے سوا کسی کے قبضۂ قدرت میں ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال دے کر سمجھایا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئاً لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ (حج:۷۳) لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو، اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو سب مل کر بھی ایک مکھی کو پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے، مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔

جب اللہ رب العالمین کے سوا کسی کے پاس کوئی اختیار وطاقت ہی نہیں تو کسی سے امید رکھنا کتنا کمزور اور پھُس پھسا عقیدہ ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے قرآن کریم کی پہلی آیت 'الحمد للہ رب العالمین' کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ رب العالمین ہمیں سیدھا راستہ دکھائے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق دے۔ اسی میں نجات اور کامیابی ہے۔

☆☆☆

درس حدیث

کلمۂ توحید کی فضیلت

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ

عن عبد اللّه بن عمرو بن العاص رضي اللّه عنهما قال: قال رسول اللّه ﷺ: إن اللّه سيخلّص رجلا من أمتي على رؤوس الخلائق يوم القيامة فينشر عليه تسعة وتسعين سجلّا، كل سجل مثل مدّ النظر، ثم يقول: أتنكر من هذا شيئا؟ أظلمك كتبتي الحافظون؟ فيقول: لا يا ربّ، فيقول: أفلك عذر؟ فيقول: لا يا ربّ، فيقول: لا يا ربّ، فيقول: بلى، إن لك عندنا حسنة، فإنه لا ظلم عليك اليوم، فتخرج بطاقه فيها: أشهد أن لا إله إلا اللّه وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، فيقول: احضر وزنك، فيقول: يا ربّ، ما هذه البطاقة مع هذه السجلا ن؟ فقال: إنك لا تظلم، قال: فتوضع السجلان في كفة والبطاقة في كفة، فطاشت السجلات وثقلت البطاقة، فلا يثقل مع اسم اللّه شيء. (أخرجه الترمذي: ٢٦٣٩، وابن ماجة: ٤٣٠٠، والإمام أحمد: ٦٩٩٤، وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت کے ایک شخص کو تمام لوگوں کے سامنے نکال کر لائے گا اور اس کے سامنے (اس کے گناہوں کے) ننانوے رجسٹر پھیلا دیئے جائیں گے، ہر رجسٹر حد نگاہ تک ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا تو ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے، کیا تجھ پر میرے محافظ کاتبوں نے ظلم کیا ہے، وہ کہے گا نہیں، اے میرے رب، پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا تمہارے پاس کوئی عذر ہے؟ تو وہ کہے گا: نہیں اے میرے رب۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہاں کیوں نہیں، بے شک تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے، آج کے دن تیرے ساتھ کسی قسم کی ظلم وزیادتی نہ ہوگی، پھر ایک پرچہ نکالا جائے گا جس پر ”أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله“ لکھا ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ اپنے اعمال کے وزن کی جگہ حاضر رہو، وہ کہے گا اے میرے رب! ان رجسٹروں کے سامنے یہ پرچہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہارے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر وہ تمام رجسٹر ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے اور وہ پرچہ دوسرے پلڑے میں، پھر وہ سارے رجسٹر اٹھ جائیں گے اور پرچہ بھاری ہوگا۔ (اور سچی بات یہ ہے کہ) اللہ کے نام کے ساتھ (اس کے مقابلے میں) جب کوئی چیز تولی جائے گی تو وہ چیز اس سے بھاری نہیں ہوسکتی۔

آخرت کا دن برحق ہے، ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے، دار العمل ہے، اس میں کئے ہوئے اچھے برے اعمال کا حساب ایک دن دینا ہے، اسے یوم آخرت بھی کہتے ہیں، اس دن بندوں کے تمام اعمال اللہ رب العالمین کے سامنے پیش کئے جائیں گے، جو شخص ذرہ برابر نیکی کئے ہوگا وہ اسے پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کیا ہوگا اس کو بھی اپنے نامۂ اعمال میں پائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اعمال کو نوٹ کرنے کے لئے کراما کاتبین فرشتوں کو متعین کر رکھا ہے۔ آخرت کے دن کسی کے بھی ساتھ ظلم وزیادتی نہ ہوگی بلکہ سب کے ساتھ اللہ رب العالمین عدل وانصاف کا معاملہ فرمائے گا۔ آخرت کے دن میزان عدل قائم کیا جائے گا جس پر بندوں کے نامۂ اعمال کو تولا جائے گا جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ رحمت الٰہی کا مستحق ہوگا اور جنت میں داخل ہوگا اور جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

حدیث مذکور میں اسی دن کا ایک منظر بیان کیا گیا ہے کہ ایک بندے کو لایا جائے گا جن کے گناہوں کی فہرست بہت ہی لمبی اور طویل ہوگی، اتنی طویل کہ ننانوے رجسٹر بھرے ہوئے ہوں گے، ایک رجسٹر کی لمبائی اور چوڑائی بندے کے تاحد نگاہ ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ بندے سے اس کے بارے میں پوچھے گا کہ یہ تمہارے ہی کردہ اعمال ہیں؟ بندہ اقرار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پھر سوال کرے گا کہ میرے محافظ کاتبین نے تمہارے ساتھ ظلم وزیادتی تو نہیں کی ہے، بندہ کہے گا نہیں نہیں، یہ دیکھ اور سن کر بندہ گھبرا جائے گا، اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جو کہ ارحم الراحمین ہے جس طرح ماں اپنے بچے پر مہربان ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ اپنے بندے پر مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارے ساتھ ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا، تمہاری ایک نیکی ہے وہ ہے کلمۂ توحید، کلمۂ شہادت، "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله" کی صدق دلی اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اقرار اور تصدیق اور اس کی گواہی بندہ حیرت واستعجاب سے سوال کرے گا اے میرے رب ان ننانوے رجسٹروں کے مقابلے اس ایک پرچہ کی کیا قیمت وحیثیت ہوگی لیکن جب میزان عدل میں ایک پلڑے میں ۹۹ گناہوں کے رجسٹر اور دوسرے پلڑے میں کلمۂ توحید کو رکھا جائے گا تو کلمۂ توحید والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

شارحین حدیث نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ اس بندے کی مثال ہے جو زندگی بھر برائیاں کرتا رہا لیکن آخر میں اس نے تمام گناہوں سے توبہ کر لی اور توبہ کے شروط پر مکمل طور سے عمل پیرا ہو گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے بندوں کے تمام خطاؤں کو معاف کر کے اسے بخش دیتا ہے جیسا کہ دوسری حدیثوں میں اس کی صراحت ان الفاظ میں آئی ہے: يا ابن آدم! لو بلغت ذنوبك عنان السماء ثم استغفرتني غفرت لك، ولا أبالي، يا ابن آدم! لو أتيتني بقراب الأرض خطايا ثم لقيتني لا تشرك بي شيئا لأتيتك بقرابها مغفرة. (رواہ الترمذی: ۳۵۴۰) اے ابن آدم! اگر تمہارے گناہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی، اے ابن آدم! اگر تو زمین برابر گناہ کر بیٹھے پھر تو مجھ سے اس حال میں ملے کہ میرے ساتھ تو نے کسی طرح کا شرک نہ کیا ہو تو میں اس کے برابر مغفرت لے کر آؤں گا (یعنی میں تجھے بخش دوں گا)

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی خطاؤں پر برابر توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہئے، برائیوں سے دور رہنا چاہئے، نیک اعمال کرتے رہنا چاہئے اوراللہ تعالی کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالی رحیم وکریم ہے، مغفرت کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے، وہ بندوں کے توبہ واستغفار سے خوش ہوتا ہےاوران کی دعائیں سنتا ہے۔

حدیث سے ماخوذ فوائد:

۱- کلمۂ توحید کی فضیلت

۲- اللہ تعالیٰ کا کمالِ عدل

۳- بندوں پر اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت وشفقت

۴- آخرت کے دن میزان عدل کا قیام

۵- بندوں کے تمام اچھے برے اعمال سب نوٹ کئے جاتے ہیں۔

۶- آخرت کے دن میزان عدل کا قیام

☆☆☆

آج ہماری مسجدیں محفوظ کیوں نہیں؟

مدیر

دنیا کے تمام مذاہب میں عبادت گاہیں بڑی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔عبادت گاہوں کا تقدس واحترام انسانوں کے دلوں میں اس طرح بیٹھا رہتا ہے کہ وہ اس کی خاطر اپنی جان تک قربان کردینے کے لئے تیار رہتے ہیں، تقدس واحترام کا جذبہ لوگوں کے دلوں سے کبھی بھی محو نہیں ہوتا، وہ اپنی عبادت گاہوں میں کسی قسم کا نقصان گوارا نہیں کرسکتے اور نہ ان کی بے حرمتی برداشت کرتے ہیں۔اسی انسانی جذبے کا احترام کرتے ہوئے اللہ رب العالمین نے عبادت گاہوں کی حفاظت کا قدرتی انتظام فرمایا ہے،ارشاد ربانی ہے:وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّـهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّـهِ كَثِيرًا وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (الحج:۴۰)اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے، جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا، بڑے غلبے والا ہے۔

آج بھی دنیا کے اندر ہر قوم کی عبادت گاہیں موجود ہیں اور ہر قوم اپنی عبادت گاہوں کی اہمیت کو سمجھتی ہے، ان کی حفاظت کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بھی کسی بھی قوم کی عبادت گاہ کو نقصان پہنچانے سے سختی سے منع کیا ہے،اس لئے کہ عبادت گاہوں سے لوگوں کے جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔اسلام تمام مذاہب سے اعلیٰ وارفع اور اللہ کا پسندیدہ مذہب ہے، اس مذہب کی عبادت گاہ کو مسجد کہتے ہیں جو دراصل صرف وصرف اللہ کی عبادت وبندگی کے لئے بنائی جاتی ہے، مسجد کی تاریخ پر اگر غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جو پہلے انسان ہیں اور پہلے نبی بھی وہی مسجد کے پہلے بانی اور معمار بھی ہیں۔شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی، جس کے آثار طوفان نوح میں مٹ گئے۔(دیکھئے:عزیزی سورہ آل عمران،آیت نمبر:۹۶)

قرآن مقدس نے بھی خانۂ کعبہ کی قدامت اور روئے زمین کی پہلی مسجد ہونے کی شہادت دی ہے، ارشاد ربانی ہے:إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ. فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا (آل عمران:۹۶-۹۷) اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے جو تمام دنیا کے لئے برکت وہدایت والا ہے جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اس میں جو آجائے امن والا ہوجاتا ہے۔

قرآن مقدس نے نہ یہ کہ صرف بیت اللہ کی قدامت کو بیان فرمایا ہے بلکہ اس کی عظمت وافادیت کی طرف ''مبارکا

وھدی'' کہہ کر بھی اشارہ فرمایا ہے، جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بیت اللہ بڑا ہی مقدس ومحترم اور عظیم مقام ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اسے اسلام کے چار بڑے شعائر میں سے ایک قرار دیا ہے۔(حجۃ اللہ البالغہ، ص:۷۰)

بلاشبہ مسجدیں شعائر اسلام میں سے ہیں، ان کی تعظیم کرنا مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **ومن یعظم شعائر اللہ فإنھا من تقوی القلوب** (الحج:۳۲) اللہ کی نشانیوں کی جو تعظیم کرے تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

اسلام کے اندر مسجد کی اہمیت صرف اسی قدر نہیں ہے جس قدر دوسری قوموں میں ان کے معابد کی ہوتی ہے، بلکہ مسجد کا پورے اسلامی نظام حیات سے گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے، مسجد مذہب اسلام کا شعار ہی نہیں بلکہ درحقیقت وہ اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی تمدن کی نقیب بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے رسول ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ جاتے ہیں تو سب سے پہلے آپ مسجد کی تعمیر کی فکر کرتے ہیں جبکہ آپ مدینہ میں سب سے پہلے اپنا گھر اور آرام گاہ بنانے اور اپنی مستقل رہائش گاہ کی تعمیر کی فکر کر سکتے تھے، بلکہ آپ نے پوری زندگی مسجد ہی کے ایک گوشے میں گزار دی بعد میں وہی جگہ آپ کی قبر بھی بنی۔ مسجد ہی کو آپ نے دعوتی مرکز اور تعلیم وتربیت گاہ قرار دیا، پوری زندگی آپ مسجد سے وابستہ رہے۔

مسجد ہی دراصل مرکز توحید ہوتی ہے۔ اللہ کی وحدانیت کی آواز یہیں سے بلند ہوتی ہے، یہیں سے شرک کے خاتمہ کا اعلان ہوتا ہے مسلمان پنج وقتہ نمازوں میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، پانچوں نمازوں کی ہر رکعت میں سنن ونوافل میں **إیاک نعبد وإیاک نستعین** (الفاتحہ:۵) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، کا ورد کرتے ہیں۔ مسجدوں سے نمازوں کے لئے جو آواز لگائی جاتی ہے جسے شرعی اصطلاح میں ہم اذان کہتے ہیں وہ بھی توحید ہی اور اللہ کی عظمت وکبریائی کی آواز ہوتی ہے۔ اس آواز کو سنتے ہی ہر مسلمان اللہ کی عبادت کی طرف دوڑ پڑتا ہے، دنیا کی ساری مشغولیتوں سے کٹ کر ایک اللہ کی عبادت کی فکر میں غرق ہو کر وہ مسجد کی طرف کشاں کشاں چلا آتا ہے۔ یہی دراصل عبادت کی روح ہے اور اصلی وحقیقی توحید کا تقاضا بھی، مسجد کی اس بنیادی اور نمایاں خصوصیت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں واضح کر دیا ہے **وأن المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ أحدا.** (الجن:۱۸) اور مسجدیں صرف اللہ کے لئے ہیں تو تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ مسجدیں آباد کرنے والے لوگ کون ہیں، مسجدیں آباد کرنے والوں کی خصوصیات وامتیازات کیا ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: **إنما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر وأقام الصلاۃ وآتی الزکاۃ ولم یخش إلا اللہ فعسی أولئک أن یکونوا من المھتدین.** (التوبۃ:۱۸) اللہ کی مسجدوں کی رونق وآبادی تو ان کے حصے میں ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں، نمازوں کے پابند ہوں، زکاۃ دینے والے ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں توقع ہے کہ یہی لوگ یقیناً ہدایت یافتہ ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے: **إذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہ بالإیمان** (ترمذی، تفسیر سورۃ التوبۃ، رقم:۳۰۹۳) جب تم دیکھو کہ کوئی شخص مسجد میں پابندی کے ساتھ آتا ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو۔

مسجد دراصل بنائی ہی جاتی ہے روحانی قوت کو فروغ دینے اور ایمانی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے، یہیں سے مسلمانوں کو روحانی غذا فراہم ہوتی ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں آکر ایک مسلمان اپنا رشتہ اپنے خالق ومالک اور رب سے مضبوط کرتا ہے، سجدے میں گرکر اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مسجد کے اس روحانی کردار کو بڑے ہی بلیغ انداز میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے:**في بيوت أذن الله أن ترفع ويذكر فيها اسمه يسبح له فيها بالغدو والآصال، رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة يخافون يوما تتقلب فيه القلوب والأبصار.** (النور: ۳۶-۳۷)ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہاں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہوجائیں گی۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ نے بڑی اچھی باتیں لکھی ہیں جنہیں یہاں نقل کردینا فائدے سے خالی نہیں۔آپ فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے قلب مومن کو اور اس میں جو ایمان وہدایت اور علم ہے اس کو ایسے چراغ سے تشبیہ دی جو شیشے کی قندیل میں ہو اور جو صاف شفاف تیل سے روشن ہو۔تو اب اس کا محل بیان کیا جارہا ہے کہ یہ قندیل ایسے گھروں میں ہے جن کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے، مراد مسجدیں ہیں، جو اللہ کو زمین کے حصوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، بلندی سے مراد محض سنگ وخشت کی بلندی نہیں ہے بلکہ اس میں مسجدوں کو گندگی، لغویات اور غیر مناسب اقوال وافعال سے پاک رکھنا بھی شامل ہے، ورنہ محض مسجدوں کی عمارتوں کو عالیشان اور فلک بوس بنادینا مطلوب نہیں ہے بلکہ احادیث میں مسجدوں کو زرنگار اور زیادہ آراستہ وپیراستہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ایک حدیث میں تو اسے قرب قیامت کی علامات میں سے بتلایا گیا ہے۔(ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب فی بناء المساجد)علاوہ ازیں جس طرح مسجدوں میں تجارت وکاروبار اور شوروشغب ممنوع ہیں کیونکہ یہ مسجد کے اصل مقصد عبادت کے منافی ہیں اسی طرح اللہ کا ذکر کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جائے اسی کی عبادت کی جائے اور صرف اسی کو مدد کے لئے پکارا جائے **وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحدا.** (الجن:۱۸) مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔(احسن البیان:۹۷۹-۹۸۰)

قارئین کرام! مسجد کے تعلق سے ابھی تک جتنی باتیں ذکر کی گئیں آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ مسجد کی اسلام میں کیا مقام ہے، اس کی کیا اہمیت ہے اور اس کے تئیں ہم مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں اور مسجدوں کے تئیں ہمارا کردار کیا ہونا چاہئے۔

ہم مسلمان مسجدیں بناتے بھی ہیں، بلکہ اپنے گاؤں ومحلے کی مسجدیں خوبصورت سے خوبصورت بنانے کی کوشش کرتے ہیں، مسجدوں کی تعمیر میں اپنے قیمتی اسباب خرچ کرتے ہیں، قیمتی سے قیمتی پتھر استعمال کرتے اور مسجدوں کو خوب مزین کرتے ہیں، مسجدوں کی حفاظت کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔ہندوستان پر حکمرانی کرنے والے مسلم بادشاہوں نے ہندوستان کی سرزمین پر مسجد بنانے

کا خوب اہتمام کیا، عالیشان مسجدیں بنائیں، انہیں خوب سنوارا، جو آج ان کی تعمیری نشانیوں کے طور پر موجود ہیں۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آج ہماری مسجدیں محفوظ کیوں نہیں ہیں، کیوں انہیں مسمار کیا جارہا ہے۔ غیروں کی نگاہیں ان مسجدوں پر ٹکی ہوئی ہیں، وہ انہیں گرا کر نیست و نابود کردینا چاہتے ہیں۔ آج مسلمان اپنی مسجدوں کو گرتے ہوئے دیکھ کر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، یہ صورت حال صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں مسجدیں گرانے کی تحریک چل پڑی ہے، ہم مسلمان اپنی مسجدوں کی حفاظت کیوں نہیں کر پا رہے ہیں، یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر ہر مسلمان کو سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، آخر ایسا کیوں ہورہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے اندر مسجدیں آباد کرنے والی صفات جاتی رہی ہیں، ہم ایمانی قوت سے محروم ہو چکے ہیں، اگر ہم انصاف کے ساتھ سوچیں اور غور کریں تو اس سوال کا صحیح جواب یہی ہے کہ ہم مسجدیں آباد تو کررہے ہیں مگر صرف ان کی آرائش وزیبائش کے ساتھ، ان کو خوبصورت بنا کر، ان کو خوب آراستہ وپیراستہ کرکے ان میں قیمتی پتھر اور سنگ مرمر لگا کر، قیمتی رنگ وروغن سے ان کی دیواروں اور چھتوں کو مزین کررہے ہیں جو دراصل مطلوب نہیں ہے۔ شاید ہماری مسجدیں اس لئے محفوظ نہیں کہ ہم ان کو عبادت الٰہی، نماز وذکر اذکار، تسبیح وتہلیل، تلاوت قرآن کریم اور دعوتی وتعلیمی وتربیتی سرگرمیوں سے آباد نہیں کررہے ہیں، یہاں سے اب توحید کی آواز بلند ہونے کے بجائے شرک کی آواز بلند ہورہی ہے۔ یہاں سے اتحاد واتفاق کی دعوت دینے کی جگہ اختلاف وانتشار کی دعوت دی جارہی ہے۔ آج مسجدیں مختلف مسالک کے نام پر تعمیر کی جارہی ہیں، غیر مسلکی مسلمانوں کا داخلہ ان میں ممنوع قرار دیا جارہا ہے۔ آج مسجد میں امامت وتولیت کا جھگڑا ابھی زوروں پر ہے۔ اس کی خاطر بعض دفعہ خونریزی تک کی نوبت آجاتی ہے، انہی مسجدوں میں علماء دین، قراء کرام اور دعاۃ اسلام کی توہین وتذلیل کا ذلیل کارنامہ بھی انجام دیا جاتا ہے، جبکہ وہ سماج ومعاشرے کے سب سے بہتر لوگ ہوا کرتے ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا وقال إنني من المسلمين.** (حم السجدہ:۳۳) اور ان سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں اور جنہیں ہمارے رسول ﷺ نے بھی سب سے بہتر قرار دیا ہے: خيركم من تعلم القرآن وعلمه. (رواہ البخاری، رقم:۵۰۲۷) تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

ضرورت ہے کہ ہم مسجدوں کے اصل کردار کو بحال کریں، اپنی ایمانی قوت کو فروغ دیں، مسجد سے اپنے رشتے کو مضبوط کریں، نماز اور ذکر واذکار کے ساتھ اپنی مسجدیں آباد کرنے کی کوشش کریں، اپنی زندگی میں مسجدوں کو اہمیت دیں۔ اللہ تعالیٰ غیب سے مسجدوں کو تحفظ عطا کرے گا ان شاء اللہ، غیروں کی بدنگاہی سے ہماری مسجدوں کی حفاظت فرمائے گا، اس لئے کہ اللہ کا وعدہ ہے: **يا أيها الذين آمنوا إن تنصروا الله ينصركم ويثبت أقدامكم** (حصر:۷) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی (اللہ کے دین کی) مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

ہم اللہ کا حقیقی بندہ بن کر اگر اللہ سے مدد مانگیں تو یقیناً اللہ ہماری مدد فرمائے گا۔ آیئے ہم عہد کریں کہ ہم اللہ کا نیک بندہ بن کر اللہ سے مدد مانگیں گے، اللہ ہمیں اس کی توفیق دے اور ہماری مسجدوں کی حفاظت فرمائے، آمین۔ ☆☆☆

سلفیت کا تعارف تاریخ کے آئینے میں

جمع وترتیب: مطیع الرحمٰن فضل الرحمٰن السّلفی

حامدا و مصلیا امابعد!

امت مسلمہ کو اللہ عز وجل نے خیر امت کے لقب سے ملقب کیا اور فرمایا: ''کنتم خیر امه اخرجت للناس تعمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر (آل عمران:۱۱۰) نیز ''إن هذه أمتكم أمة واحدة وأنا ربكم فاتقون ''(مومنون:۵۲) کے ذریعہ بتلا دیا کہ شروع سے لے کر آخر تک امت مسلمہ ایک ہی امت ہے اور مسلمانوں کو افتراق و انتشار سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا ''(آل عمران: ۱۰۳) لیکن بدقسمتی سے مسلمان شیطان کے جال میں پھنس کر اپنی تاریخ کے چند مراحل طے کرنے کے بعد سیاسی انتشار کا شکار ہو گئے اور نئے نئے افکار ونظریات کی حامل مختلف جماعتیں اور بے شمار فرقے نت نئے ناموں کے ساتھ وجود میں آ گئے لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی: '' لا تزال طائفه من أمتي على الحق ظاهرين لا يضرهم من خالفهم حتى يأتي أمر الله '' کہ بموجب ہمیشہ اور ہر دور میں ایک جماعت ایسی رہی ہے جس نے کسی قسم کے خارجی اثرات قبول کیے بغیر اپنے آپ کو عہد اول سے مربوط رکھنے کی کوشش کی کتاب وسنت سے اپنے تعلق اور رشتے کو مضبوط رکھتے ہوئے عقیدہ وعمل کو ہر طرح کی آمیزش سے محفوظ رکھا اور اسی جماعت نے بعد میں بطور علامت اور دوسروں سے امتیازی حیثیت حاصل کرنے کی غرض سے اپنے لیے لفظ ''سلف'' کا انتخاب کرتے ہوئے اس کی طرف اپنی نسبت کی لیکن دشمنان اسلام نے اس جماعت کو داخلی و خارجی دونوں محاذوں پر نشانہ بنایا اور گمراہ بدعتی خوارج اور ائمہ کرام کا دشمن بتا کر سادہ لوح عوام کو اس سے متنفر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

ذیل میں لفظ ''سلف'' اور اس کی طرف منسوب لفظ ''سلفی وسلفیت'' کا لغوی واصطلاحی مفہوم واضح کرنے نیز اس کا شرعی وتاریخی حیثیت سے جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس کے امتیازی خصوصیات ونمایاں خد وخال بیان کیے گئے ہیں تاکہ عوام الناس کو اس سے متعارف کرایا جا سکے اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے میں مدد ملے اور حق کے متلاشی کو راہ حق کی تعیین وتحدید میں رہنمائی حاصل ہو جائے۔

سلف کا لغوی معنی: ''سلف'' لغوی اعتبار سے سالف کی جمع ہے جیسے ''خدم، خادم'' اور ''حرس، حارس'' کی جمع ہے اور خود لفظ سلف کی جمع ''اسلاف'' آتی ہے، اردو لغت میں اس کا معنی ''گذشتہ، سابقہ'' اگلے زمانے کے لوگ

(فیروز اللغات اردو صفحہ:۴۲۹) کے ہوتے ہیں، کہا جاتا ہے۔ ''سلف لہ عمل صالح'' اس سے عمل صالح کا صدور پہلے ہوا ''سلف القوم'' وہ قوم سے آگے ہوگیا۔ (المعجم الوسیط : ۱/۴۴۴، مختار الصحاح: ص: ۱۳۰، المنجد ص:۳۵، النہایۃ فی غریب الحدیث:۲/۳۹۰، لسان العرب:۹/۱۵۹)

قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف صیغوں میں متعدد بار وارد ہوا ہے۔ (المعجم المفہرس لالفاظ القرآن ص:۳۵۵) لیکن خود لفظ ''سلف'' سورہ زخرف کے اندر ایک مقام پر آیا ہے ارشاد باری تعالی ہے ''فجعلناهم سلفا ومثلا للآخرين '' (سورہ زخرف:۵۶) ہم نے انہیں گیا گذرا کر دیا اور پچھلوں کے لئے مثال دی۔ (جونا گڈھی)

امام بخاری (م ۲۵۶ھ) رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''صحیح البخاری'' کے اندر دو باب قائم کیا ہے جن میں لفظ ''سلف'' کا استعمال گذرے ہوئے لوگوں کے معنی میں ہوا ہے (۱) باب المركوب على الدابة الصعبة والفحولة من الخيل وقال: راشدبن سعد: كان السلف يستحبون الفحولة لأنها أجرى وأجسر۔(صحيح البخاری مع الفتح: ٤/٤٤، كتاب الجهاد) (٢) باب ماكان السلف يدخرون في بيوتهم واسفارهم من الطعام واللحم وغيره۔(أيضا:٩/٥٥٢) حافظ ابن حجر العسقلانیؒ (م ٨٥٢ ھ) نے فتح الباری میں ان ابواب کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں ''سلف'' سے مراد صحابہ کرام اور ان کے طریق پر چلنے والے تابعین وتبع تابعین ہیں۔ (ایضا:۴/۴۴۴، المنهج السلف عندالشيخ ناصرالدين الالبانیؒ ص: ١٠)

عربی لغت کے اصحاب حل وعقد میں سے ابن منظور ''سلف'' کے معنی بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں ''سلف'' ان گذرے ہوئے آباءاجداد اور قرابت داروں کو کہا جاتا ہے جو علم وفضل اور عمر میں فوقیت وامتیاز رکھتے ہیں اور انہوں نے طفیل غنوی کے شعر (جو اپنی قوم کی مرثیہ خوانی میں پڑھا تھا) سے استدلال کیا ہے۔

مضوا سلفا قصد السبيل عليهم
وصرف المنايا بالرجال تقلب (لسان العرب: ٩/١٥٩)

علامہ ابن الأثیر (م ۶۳۰ھ) رحمہ اللہ نے سلف کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ''سلف'' کا اطلاق کسی بھی شخص کے ان آباء واجداد اور دیگر قرابت داروں پر ہوتا ہے جو پہلے وفات پا چکے ہیں اسی لئے تابعین عظام کی اولین جماعت کو ''سلف'' کہا جاتا ہے۔ (النہایۃ فی غریب الحدیث: ۲/۳۹۰)

اس مختصر لغوی تشریح سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ لغت میں سلفی کا اطلاق عموماً گزرے ہوئے آباؤ اجداد پر ہوتا ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد اسی وجہ سے بسا اوقات اس کے ساتھ لفظ صالح کو بطور صفت اضافہ کیا جاتا ہے تاکہ غیر صالح لوگ اس مفہوم سے خارج ہو جائیں۔

سلف کی اصطلاحی تعریف: سلف کے اصطلاحی معنی و مفہوم کی تعیین وتحدید میں اہل علم اور اصحاب حل وعقد کی رائے متنوع اور مختلف فیہ بیان کی جاتی ہیں لیکن ان تمام تر تعریفات کا ماحصل یہی نکلتا ہے کہ سلف کا اطلاق اصطلاح

میں صحابہ کرام ،تابعین عظام اور اتباع تابعین پر ہوتا ہے جنہوں نے ایسے مبارک عہد میں زندگی بسر کی جن کی فضیلت اور برتری کی شہادت خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اوران کے ساتھ ہی ان ائمہ دین کو بھی قدوہ اور نمونہ کی حیثیت حاصل ہے جن کا کتاب وسنت سے تعلق لوگوں کے نزدیک معروف ہے اور جن کی امامت ودیانت داری امت کے نزدیک مسلم ہے جو بدعت کے کاموں سے گریز کرتے اورلوگوں کو باز رکھنے کی جدوجہد فرماتے تھے، اس بنا پر ہر وہ شخص جو ائمہ مذکورین کے عقائد،فقہ اوراصول کولازمی طور پر اپنایا ہے،اسے ائمہ سلف کی جانب منسوب کیا جا تا ہے زمانی یا مکانی اعتبار سے کتنی دوری ہی کیوں نہ پائی جاتی ہواور ہر وہ شخص جوان کی مخالفت کرتا ہے اسے سلف کی جانب منسوب نہیں کیا جائے گا خواہ وہ سلف کے درمیان ہی موجود رہا ہواور زمانی یا مکانی اعتبار سے کوئی بعد اور دوری نہ پائی جاتی ہو۔(المنہج السّلفی ص: ۱۰، قواعد المنہج السّلفی ص: ۲۵۳،اہل السنہ والجماعہ معالم الانطلاقۃ الکبری ص:۵۱-۵۲، سلفیت کا تعارف ص: ۲۱، یادگار مجلّہ ال انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ مارچ ۲۰۰۴م ص: ۲۵)

اہل علم کی چند آراء درج ذیل سطور میں قلم بند کیا جارہا ہے۔

(۱) سلف سے مراد صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اس قول کو اختیار کرنے والے مشہور مغربی عالم ابن ابی زید القیر وانی کی کتاب ''الرسالۃ'' کہ بیشتر شارحین ہیں۔(المفسر ون بین الاثبات والتاویل:۱/ ۱۸)اسی طرح علامہ عدوی اپنے حاشیہ میں رقم طراز ہیں۔سلف صالحین ایسا لازمی وصف ہے جو علی الاطلاق صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے،اس میں دوسرے شریک نہیں ہو سکتے ابن ناجی کے اس مذکور قول کی بنا پر اس کو صحابہ کرام کی جماعت میں منحصر کرنا ضروری ہے۔(اہل السنۃ والجماعۃ معالم الانطلاقۃ الکبری ص:۵۱)

(۲) سلف سے مراد صحابہ کرام اور تابعین عظام ہیں۔علامہ غزالیؒ صاحب ''احیاء علوم الدین'' نے اسی قول کو اختیار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''مذہب سلف سے میری مراد صحابہ وتابعین کا مذہب ہے'' (الجام العوام عن علم الکلام ص:۳)

(۳) سلف سے مراد صحابہ کرام تابعین عظام اور اتباع تابعین ہیں،علامہ امام شوکانی رحمہ اللہ وسفارینی وغیرہ (لوامع الانوار:۱/ ۱۲۰،التحف فی مذھب السلف ص:۱۱۸) بلکہ اکثر اہل علم نے اسی قول کو ترجیح دی ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے انداز تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی اسی جانب میلان رکھتے ہیں،(درء تعارض العقل والنقل: ۷/ ۱۳۴) اسی طرح علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے،(المنہج السّلفی ص:۱۴) ان حضرات نے ابتدائی تین صدیوں کی قید اس لیے لگائی ہے کہ ان کی افضلیت وفوقیت کی گواہی خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے دی ہے چنانچہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ''(صحیح البخاری مع فتح الباری:۷/ ۳،باب فضائل أصحاب النبی ﷺ) میری امت کے بہترین لوگ میرے

زمانے کے لوگ ہیں پھر اس کے بعد کے زمانے کے پھر اس کے بعد کے زمانے کے لوگ ہیں۔(بخاری)

(۴) سلف کی اصطلاحی مفہوم کی تعیین سے متعلق ایک چوتھا قول بھی ہے جس کو مشہور اشعری عالم ابراہیم بن محمد بیجوری (م۱۲۷۷ھ) نے اختیار کیا ہے ان کے قول کے مطابق پانچویں صدی ہجری سے ماقبل علمائے کرام پر سلف کا اطلاق ہوتا ہے۔(تحفۃ المرید شرح جوھرۃ التوحید ص: منقول از سلفیت کا تعارف:) لیکن یہ قول مرجوح ہے اس لیے کہ تیسری صدی ہجری کے بعد ایسے ایسے افکار وآراء رونما ہوئے جس کی وجہ سے اسلامی سرمایہ کو شدید جھٹکے لگے تھے اور نفس پرستی کا بازار گرم ہوا تھا۔

اصطلاح سلفیت کی ابتداء وضرورت: سلفیت یا سلفی دعوت کتاب وسنت پر مبنی خالص اسلام کی دعوت ہے جو اسلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ سے حاصل کیا تھا جو ہر طرح کے بیرونی اثرات سے پاک وصاف تھا اس اسلام کی طرف رجوع کرنے کی دعوت کا نام سلفیت ہے، تو یہ دعوت اتنی ہی قدیم ہے جتنا قدیم مذہب اسلام ہے یہ بعد کی ایجاد واکتشاف شدہ نہیں جیسا کہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے علامہ سمعانی (م۵۶۲ھ)(الانساب) اور علامہ ابن الاثیر (م۶۳۰ھ) (اللباب) نے لفظ ''سلفی'' سلف اور اتباع مذہب سلف کی طرف منسوب کر کے دونوں نے ہی اپنے اپنے زمانہ میں اسلام سے ایک جماعت کے وجود کی خبر دی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں بلکہ اس سے بھی پہلے سلف کے نام پر ایک جماعت کا وجود رہا ہے۔

''سلفیت یا سلفی'' کا استعمال بطور اصطلاح ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کی طرح جدید ہے، جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد امت مسلمہ مختلف جماعتوں اور فرقوں میں منقسم ہوگئی، ابتداءً یہ اختلاف سیاسی نوعیت کے تھے جو بعد میں چل کر دینی شکل اختیار کر گئے اور اسی کے بعد سے نئی نئی جماعتیں اور فرق ظاہر ہونے لگے اور ہر فرقہ وجماعت اپنے آپ کو اسلام کا علمبردار کہتا اور اسلام سے وابستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کو برحق ثابت کرتا۔لہذا علمائے حق نے باطل ومنحرف فرقوں سے اہل حق کو ممتاز کرنے کے لیے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کی اصطلاح ایجاد کی اس سے خوارج، روافض، اہل تشیع وغیرہ سے تمیز مقصود تھی، لیکن ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے مابین بھی اختلاف رونما ہوا اور ان باطل فرقوں نے ''اہل السنۃ والجماعۃ'' سے وابستگی کا اظہار کر کے کتاب وسنت کا علم بردار گردانا تو اہل حق نے ان منحرف جماعت اور مکاتب فکر سے امتیاز کے لیے لفظ ''سلف'' کا انتخاب کرتے ہوئے اپنے کو اس کی جانب منسوب کیا تو جس طرح ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کی اصطلاح ایک ضرورت کے پیش نظر اختیار کیا گیا اسی طرح ''سلف'' اور ''سلفی'' کی اصطلاح بھی ایک ضرورت کے تحت اختیار کیا گیا۔(سلفیت کا تعارف ص:۰)

سلف صالح کی عظمت وحقانیت: ذیل میں چند آیات واحادیث اور اقوال سلف صالحین ذکر کیے جارہے ہیں جن میں منہج سلف کی عظمت وحقانیت ان کی اتباع واقتدا اور ان

کے طریقہ کار کو اپنانے پر زور دیا گیا ہے۔1)) اللہ تعالی ارشادفرماتا ہے:''والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه''(سورہ توبہ: ۰۰) او رجومہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہو۔(جونا گڑھی) دوسری جگہ ارشادفرمایا:''ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا ''(نساء:۱۵۱) اور جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرے اور تمام مؤمنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ متوجہ ہوا اور دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔(جونا گڑھی)

پہلی آیت میں اللہ تعالی نے مہاجرین وانصار صحابہ کرام اور بعد میں آنے والے تمام مسلمانوں کی مدح و تعریف فرمائی ہے جو ان تمام صحابہ کرام سے محبت رکھنے والے اوران کے نقش قدم پرخلوص واحسان کے ساتھ چلنے والے ہیں اور دوسری آیت کریمہ میں اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور صحابہ کرام کا راستہ ترک کر کے کسی اور راستے کی پیروی دین اسلام سے خروج ہے جس پر یہاں جہنم کی وعیدیں بیان فرمائی ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:''من يعش منكم فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة ''(سنن ابی داوود مع العون: ۱۳/۵ - کتاب السنۃ،باب لزوم السنۃ،سنن الترمذی مع التحفہ :۴۴/۵)

میرے بعدتم میں سے جو لوگ باحیات رہیں گے عنقریب بہت زیادہ اختلافات دیکھیں گے ایسے وقت میں تمہارے اوپر لازم ہے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور انہیں اپنے دانتوں سے مضبوطی سے پکڑے رہنا اور دیکھنا دین میں نئے اضافہ سے بچنا کیونکہ ہر ایجاد کردہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(رواہ ابوداؤد) اس حدیث کے اندر صحابہ کرام خصوصا خلفائے راشدین کی اقتدا اور پیروی کو اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے اور بدعت وہ محدثات سے اجتناب کی دعوت دی گئی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود متفرق ہوکر 71 فرقوں اور نصاریٰ 72 فرقوں میں منقسم ہوگئے اور میری امت عنقریب 73 فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے ایک فرقہ کے سوائے سارے فرقے جہنم میں جائیں گے صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ

لوگ ہوں گے جو اس دین پر قائم رہیں گے جس پر آج میں قائم ہوں اور جس پر میرے صحابہ کرام قائم ہیں۔(سنن الترمذی مع التحفۃ: ۲۶/۵،صححہ الالبانی) امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے آپ کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر روکے رکھو جہاں قوم (صحابہ) نے توقف اختیار کیا تم بھی وہیں توقف اختیار کرو بات وہی کہو جو انہوں نے کہی ہے جہاں وہ خاموش رہے تم بھی وہاں خاموش رہو اور اپنے سلف صالح کی راہ پر گامزن رہو اس لیے کہ جو چیز ان کے لیے کافی تھی وہ تمہارے لیے بھی کافی ہوگی۔(شرح اصول اعتقاد أھل السنۃ والجماعۃ) ان چند نصوص سے منہج سلف کی حقانیت ظاہر ہوگئی کہ یہی وہ منہج ہے جس پر چل کر انسان دنیا وآخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہوسکتا ہے۔

اتباع کتاب وسنت اور اقوال سلف: جب ہم سیرت سلف صالحین کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے بہت سے ایسے اقوال وہ فرمودات اور مواقف وہ نظریات آتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالحین کتاب وسنت کی پیروی میں بے حد حریص وشوقین تھے اور مخالف کتاب و سنت اقوال ترک کرنے میں آگے آگے تھے سطور ذیل میں سلف صالحین کے چند اقوال ذکر کیے جارہے ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کام کرتے تھے میں اسے قطعاً نہیں چھوڑ سکتا مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے آپ کا کوئی بھی کام چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا (الاعتصام لامام الشاطبی) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب ایک سائل نے ایک مسئلہ پوچھا اور آپ نے حدیث رسول پڑھ کر اس کا جواب دیا، سائل نے اس پر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا قول پیش کیا تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا قریب ہے تم پر آسمان سے پتھر برسا دیے جائیں کہ تم ہلاک و برباد ہو جاؤ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم رسول کے مقابل ابوبکر و عمر کے اقوال پیش کرتے ہو۔(رفع اعلام عن الائمۃ الاعلام ص:۳۲) امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے مختلف راستوں کو اپنایا اور آثار وصراط مستقیم سے ہٹ کر رائے سے کام لیا تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔(اعلام الموقعین: ۶۵/۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو صحیح حدیث میں ہو وہی میرا مذہب ہے۔(صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص:۹۹-الحاشیۃ لابن العابدین: ۶۵/۱) امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک انسان ہوں مجھ سے غلطی اور درستی دونوں کا احتمال ہے اس لیے تو میری ہر ایک بات کی تحقیق کر لیا کرو جو کتاب و سنت کے موافق ہو اس پر عمل کرو اور جو مخالف ہو اس کو ترک کردو۔(صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۰۲-جامع بیان العلم وفصلہ لابن عبدالبر: ۳۲/۲-اصول الاحکام لابن حزم: ۱۴۹/۶) مذکورہ دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سلف صالحین ہر حال میں کتاب وسنت کی پیروی کرتے تھے۔

منہج سلف کے بنیادی اصول: منہج سلف صالح کی عظمت فضیلت اور اہمیت وافادیت بیان کرنے کے بعد ذیل میں ہم ان بعض اہم اصول ومبادی کو مختصراً ذکر کر رہے ہیں جن پر منہج سلف صالح کی اساس وبنیاد قائم ہے۔

منہج سلف صالح کا اصل اصیل اور رکن رکین اتباع کتاب وسنت ہے چنانچہ سلف صالحین کتاب وسنت کی عظمت کو برقرار رکھتے ہوئے ہر معاملہ میں ان کے احکام اور امرونواھی کے سامنے سر تسلیم خم کردیتے ہیں اوران کے حدود سے تجاوز نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے مقابلے میں اپنی بات پر یا کسی امام کی رائے پر اڑے رہتے ہیں اور نہ ہی ان کے مد مقابل کسی شخص کی بات کو مقدم کرتے ہیں اللہ تعالی کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے ’’یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بين يدي الله ورسوله واتقوا الله ان الله سميع عليم ‘‘(سورہ حجرات:۱) اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو یقیناً اللہ تعالی سننے والا جاننے والا ہے (جونا گڑھی) یہی وجہ ہے کہ احکام خداوندی اور اوامر نبی کے آتے ہی فوراً اسلف صالحین سمع وطاعت اور تسلیم ورضا کے بہترین پیکر بن جاتے ہیں۔ارشاد باری تعالی ہے:’’انما كان قول المؤمنين اذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم أن يقولوا سمعنا وأطعنا وأولئك هم المفلحون‘‘(النور:۵۱) ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لیے بلایا جائے کہ اللہ اوراس کے رسول ان میں فیصلہ کردیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔(جونا گڑھی) سلف صالحین کتاب وسنت کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بعد کسی مؤمن مرد وعورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنا ذاتی اختیار بروئے کار لائے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ سر تسلیم خم کردے۔

سلف صالحین کے بنیادی عقائد: منہج سلف کی دوسری اصل اصلاح عقیدہ ہے چونکہ عقیدہ اسلامی زندگی کی بنیاد ہے اور عقیدہ ہی کی بنیاد پر اسلامی زندگی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے،اس لیے سلف صالحین نے عقیدہ صحیحہ کو لوگوں کے قلوب ونفوس میں راسخ کرنے کی کوشش کی ہے اوراس کے اصول و مبادیات کو عام فہم اور آسان طریقہ سے مرتب کیا اور قرآن واحادیث صحیحہ خواہ وہ متواتر کے قبیل سے ہوں یا آحاد کے قبیل سے وارد ہوئی ہوں اسی کو اختیار کیا جائے اس پر ایمان رکھا جائے اور اسی کی تصدیق کی جائے خواہ کسی امام وغیرہ کے قول کے موافق ہو یا مخالف یہی طریقہ کار زمانہ قدیم سے سلف صالحین کا رہا ہے۔

سلف صالحین عقیدہ کے بارے میں وارد نصوص شرعیہ کی تشریح وتوضیح خواہشات وہواء سے نہیں کرتے بلکہ نصوص قرآنیہ واحادیث صحیحہ کی روشنی میں کرتے ہیں سلف صالحین عقیدہ کے وہ مسائل جو امور غیبیہ سے تعلق رکھتے ہیں اس بارے میں دیگر فرقہ ضالہ کی طرح عقلی گھوڑے نہیں دوڑاتے ہیں بلکہ بغیر کسی چوں چرا کے نصوص شرعیہ کے سامنے سر تسلیم خم کردیتے ہیں،سلف صالحین عقیدہ کے باب میں علم کلام اور علم منطق وفلسفہ سے پورے طور پر اجتناب کرتے ہیں کیونکہ کتاب وسنت کے فہم میں ان علوم سے سوائے جہالت وہ کمزوری کے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اعتدال پسندی اور میانہ روی: منہج سلف کے دیگر مناہج فکر وفہم سے افضل اور بہتر ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ منہج

سلف اعتدال پسندی ومیانہ روی پر مبنی ہے اور جس طرح اللہ تعالی کا فضل وکرم ہے کہ امت محمدیہ کو تمام امتوں میں امت وسط بتایا ہے جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ''وکذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء على الناس ''(سورہ بقرہ:۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے تم لوگوں کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔(جونا گڑھی) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اهل السنه فى الاسلام كاهل الاسلام بين الملل ''(مجموع الفتاوی لابن تیمیہ:۲۶۱/۵) کہ مذہب اسلام میں اہل سنت کی حیثیت اسی طرح مسلم ہے جس طرح کہ اسلام کی حیثیت دیگر امتوں میں مسلم ہے۔

اسماء وصفات کے باب میں سلف کا موقف: اللہ تعالی کے اسماء وصفات کے باب میں سلف صالحین کا مختصرا عقیدہ یہ ہے کہ جن اسماء حسنی اور صفات اعلی کو اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں اپنے لیے یا اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کے لیے بیان فرمایا ہے بغیر کسی رد و بدل،تعطیل وتمثیل،تحریف وتکییف،تاویل وتفویض اور تشبیہ کے ہو بہو ثابت مانتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں (اسلامی عقیدہ ص: ۳۹-۴۰) اور کہتے ہیں کہ یہ عظیم المرتبت اللہ تعالی کے خاص صفتیں ہیں جو اسی کے لیے لائق ہیں ان صفات کا مخلوق کی صفات سے کوئی تعلق نہ ان میں سے ایک دوسرے سے کسی قسم کی کوئی ادنی سا واسطہ ومشابہت ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''ليس كمثله شيء وهو السميع البصير ''(سورہ شوریٰ:۱۱) اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔(جونا گڑھی) صفات کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ کا قول سلف صالحین کے عقیدہ کی وضاحت کرتا ہے جب آپ سے استواء علی العرش کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے جواباً عرض کیا''الاستواء معلوم والكيف مجهول والايمان به واجب والسوال عنه بدعة ''(الرد علی الجہمیہ للدارمی ص: ۳۳-شرح اصول اعتقاد اہل السنة والجماعة :۹۲/۱-کتاب الاسماء والصفات ص:۴۰۸)استواء معلوم ہے کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔

ابو عثمان الصابونی رحمہ اللہ''عقیدة السلف''میں رقمطراز ہیں کہ اصحاب حدیث جو کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور اپنے پروردگار کو انہیں صفات سے متصف جانتے ہیں جیسے اللہ تعالی نے قران مجید کے اندر یا اس کے رسول نے حدیث کے اندر اس کے لیے بغیر کسی تشبیہ وتمثیل تحریف اور بغیر کسی رد و بدل اور تغیر وتبدل کے بیان فرمایا ہے۔(عقیدة السلف اصحاب الحدیث ص: ۲۲-) مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ بے شک سلف صالحین کا منہج اسماء وصفات کے بارے میں افراط و تفریط سے پاک ایک معتدل اور درمیانی نظریہ کا حامل منہج ہے۔(الصواعق المرسلة لابن القیم:۹۲۹/۳-درء تعارض العقل والنقل:۲۲۴/۱)

اللہ تعالی کے لیے استواء علی العرش پر ایمان: اس بات پر اسلاف امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ اللہ تعالی اپنے آسمانوں کے اوپر ساری مخلوقات سے بلند و بالا ہو کر اپنے عرش پر جلوہ افروز ہے وہ ایسی ذات پاک ہے جو ہمہ

وقت (اپنے علم وقدرت) سے ان کے ساتھ ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے باخبر ہے"هو الذی خلق السماوات والارض فی سته ایام ثم استوی علی العرش یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منها"(الآیة) وہ وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا وہ اسے بھی جانتا ہے جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے اور اسے بھی جو اس میں سے نکلتی ہے۔ (جونا گڑھی) (العقیدۃ الواسطیۃ :سعید احمد بن قمر الزمان ص:۴۱)

عقیدہ خلق قرآن: اللہ اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے کے ضمن میں اس کا بھی ایمان ویقین رکھنا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام برحق اور غیر مخلوق ہے،اسی کی طرف سے اس کی ابتداء ہوئی اور اسی کی جانب لوٹ کر چلا جائے گا اور وہ اس کا کلام حقیقی ہے قرآن کریم حروف ومعانی پر مشتمل اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ایسا نہیں کہ کلام اللہ صرف حروف بدون معانی یامعانی بدون حروف کا نام ہے۔(اسلامی عقیدہ اردو ترجمہ العقیدۃ الواسطیۃ ص:۷)

قیامت میں رویت باری تعالیٰ اور سلف کا موقف: سلف صالحین کا اس بات پر ایمان ہے کہ مومنین اللہ تعالی کو قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے واضح طور پر اس طرح دیکھیں گے جس طرح سورج کو صاف فضاؤں میں یا چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں جس کے مشاہدے میں کسی طرح کی مزاحمت نہیں کریں گے وہ اللہ تعالی کا دیدار بروز قیامت ایک کشادہ میدان میں جمع ہوکر کریں گے پھر اس کے بعد جنت میں داخلہ کے بعد دیدار سے مشرف ہوں گے جس طرح اللہ تعالی چاہیں گے۔(اسلامی عقیدہ اردو ترجمہ العقیدۃ الواسطیۃ ص:۴۶-شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص: ۱۸۸- خرج احادیثہا محمد ناصر الدین الالبانی)

ایمان قول وعمل کا مجموعہ ہے: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دین وایمان قول وعمل کے مجموعہ کا نام ہے یعنی عقیدہ توحید اور اس کی شہادت کا دل وزبان سے اقرار و اعتراف کرنا اور اس پر اعضا وجوارح سے عمل پیرا ہونا ہے۔ (اسلامی عقیدہ اردو ترجمہ العقیدۃ الواسطیۃ ص:۵۸)

ایمان کی کمی وزیادتی: سلف صالحین کا اس بات پر یقین ہے کہ ایمان طاعت الٰہی سے بڑھتا ہے اور معصیت سے کم ہوجاتا ہے اور وہ اہل قبلہ کو محض گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتے ہیں جس طرح کے خارجی فرقے کے لوگ انہیں کافر قرار دیتے ہیں بلکہ اسلامی اخوت اور ایمانی روابط گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔(حوالہ مذکور) اور اہل سنت والجماعت معتزلہ کی طرح ملت اسلام پر رہنے والے فاسق وفاجر سے اسلام کی نفی نہیں کرتے ہیں اور نہ اسے گناہ کبیرہ کہ ارتکاب کی وجہ سے ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں جانے کا مستحق قرار دیتے ہیں بلکہ اسے ایمان مطلق کا حامل تصور کرتے ہیں اور اسے ایسا مومن سمجھتے ہیں جو ناقص الایمان ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:"فتحریر رقبة مؤمنة"ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔(حوالہ مذکور ص:۵۹)

قضاء وقدر کے باب میں اعتدال پسندی: مذہب سلف"قدر"کہ باب میں بھی فرقہ قدریہ اور جبریہ کے درمیان ایک وسط ومیانہ روی والا مذہب ہے چنانچہ جبریہ

اس بات کے قائل ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اور اس سے صادر ہونے والے افعال میں اس کے ارادہ اختیار اور قدرت کا کوئی دخل نہیں ہے سارے افعال کا خالق اللہ تعالی ہے لہذا اس کے کسی بھی فعل پر گرفت ومواخذہ نہیں ہونی چاہیے خواہ وہ فعل کتنا ہی قبیح ہو۔(حوالہ مذکور ص:۵۶) اور قدریہ کا عقیدہ اس کے برعکس ہے لیکن سلف صالحین ان دونوں کے درمیان ہیں''ایمان بالقدر'' کو مندرجہ ذیل چار امور سے متضمن مانتے ہیں۔اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالی اپنے علم سابق کے ذریعے ان تمام چیزوں کو اجمالا و تفصیلا جاننے والا ہے جو وجود میں آچکی ہیں یا آنے والی ہیں خواہ ان کا تعلق اللہ تعالی کے افعال سے ہو یا بندوں کے افعال سے ہو سب اللہ تعالی کو بخوبی معلوم ہے ارشاد خداوندی ہے۔''عالم الغیب لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السماوات ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین''(سبا:۳) وہ غیب کا جاننے والا ہے اس سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں نہ اسمانوں میں اور نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے۔(جونا گڑھی) اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالی نے تمام چیزوں کی تقدیر کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے ارشاد باری تعالی ہے:''وکل شیء احصیناہ فی امام مبین''(سورہ یاسین:۱۲) اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔(جونا گڑھی) اور صحیح مسلم کے اندر حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السماوات والارض بخمسین ألف سنة''(صحیح مسلم مع شرح النوی: ۳۳۵/۲ - کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسی علیہ السلام) کہ اللہ تعالی نے آسمانوں وزمین کی پیدائش سے 50 ہزار سال پہلے ہی مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی (رواہ مسلم) امام ابن قیم رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ صحابہ کرام تابعین عظام اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے تمام کے تمام لوح محفوظ میں مکتوب ہے۔(شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر ص:۲۹) اس بات پر ایمان رکھنا کہ ساری کائنات اللہ تعالی ہی کے ارادے ومشیت سے وجود میں آئی ہے خواہ اس کا تعلق اللہ کے افعال سے ہو یا مخلوقات کے،(اسلامی عقیدہ ص:۵۵) اللہ رب العالمین اپنے فعل کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:''وربک یخلق ما یشاء ویختار''(قصص:۶۸) اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔(جونا گڑھی) اس بات پر ایمان رکھنا کہ تخلیق الہی کا یہ سلسلہ جملہ خلائق کو ان کی ذات و صفات اور افعال و تصرفات سمیت شامل ہے۔(اسلامی عقیدہ ص:۵۵) ارشاد الہی ہے:''اللہ خالق کل شیء وهو علی کل شیء وکیل''(سورہ زمر:۶۲) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔(جونا گڑھی)

صحابہ کرام کی عظمت: سلف صالحین اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل وخیار ملت یہی صحابہ کرام ہیں اور

ان میں سب سے افضل خلفائے راشدین ہیں نیز سلف صالحین صحابہ کرام کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان سے محبت ومودت کرنا ان کا ادب و احترام کرنا ان کے فضائل و مناقب اور محاسن و محامد بیان کرنا ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا ان کے مابین ہونے والے اختلافات ومشاجرات کے ذکر سے احتراز کرنا ان کی لغزشوں پر خاموشی اختیار کرنا ان کے دشمنوں سے بغض وعداوت رکھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات واہل بیت سے محبت کرنا اوران کی تعظیم کرنا ہمارے ایمان کا جزء ہے۔

امام ابوجعفر طحاوی (م۳۲۱ھ) رحمہ اللہ صحابہ کرام کے بارے میں سلف صالحین کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اوران میں سے کسی کی محبت میں افراط اورغلو سے کام نہیں لیتے اور نہ ان میں سے کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جو ان سے بغض رکھتا ہے اوران کو برائی سے یاد کرتا ہے ہم اسے بغض رکھتے ہیں ہم ان کو خیر سے ہی یاد کرتے ہیں ان سے محبت کرنا دین ایمان اوراحسان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر نفاق اور طغیان ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خلیفہ مانتے ہیں اس لیے کہ وہ امت میں افضل ترین ہستی تھے ان کے بعد ترتیب حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں یہ خلفائے راشدین اور ہدایت یافتہ امت کے امام ہیں۔(شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص:۴۶۷)

اہل بیت سے محبت ومؤدت: سلف صالحین اہل بیت سے محبت وہمدردی رکھتے ہیں اوران کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کو جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے دن ان الفاظ میں فرمایا تھا کہ تم لوگوں کو اللہ کا واسطہ دے کر اپنے اہل بیت کے متعلق یاد دہانی کراتا ہوں،(صحیح مسلم مع شرح النووی:۴/۸۷۳/۳) دل وجان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں اورازواج مطہرات سے بھرپور عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سبھی امت مسلمہ کی مائیں اور آخرت میں بھی آپ کی پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔(اسلامی عقیدہ:٦٦)

خاتمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ سلفیت یا سلفی دعوت خالص کتاب اللہ وسنت نبوی کی دعوت ہے اس اسلام کی طرف واپس لوٹنے کی دعوت ہے جو اسلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے اور جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ سے حاصل کیا تھا سلفی دعوت حق ہے اوراس کی طرف انتساب بھی حق ہے اورسلفی نسبت اختیار کرنے میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت نہیں ہے۔لہذا ہم طالبان علوم نبوت کا فریضہ بنتا ہے کہ اس دعوت کو فروغ دینے میں ہمہ تن کوشاں رہیں اوراس کے مطابق اپنی زندگی گزاریں اے اللہ تو ہمیں اس کی توفیق عنایت فرما، آمین۔

☆☆☆

فہم حدیث میں غلطی کے اسباب

(ماخوذ از کتاب ’’فہم حدیث کے بنیادی اصول‘‘ تالیف: ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر، استاذ جامعہ سلفیہ بنارس)

حسنِ نیت، صحتِ فہم کا ضامن نہیں ہے بلکہ انسان بسااوقات حسنِ نیت کے باوجود فہمِ حدیث میں غلطی کر بیٹھتا ہے، چنانچہ یہ ضروری ہے کہ حدیث فہمی میں غلطی کے اسباب کو جانا جائے تاکہ ان سے بچنا آسان ہو۔

اس کے اسباب کئی ہیں، بعض بنیادی اسباب درج ذیل ہیں:

۱- ہواپرستی:

خواہشاتِ نفس کی پیروی حق کی راہ میں بڑی رکاوٹ اور قرآن وحدیث کی تعلیمات سے دوری کا بڑا سبب ہے، اسی لیے اہلِ بدعت کو اہلِ اہوا بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں اور قرآن وسنت پر اپنی عقل اور رائے کو مقدم کرتے ہیں نیز شرعی دلائل اور احادیث نبویہ کو ہوا پرستی کی نظر سے دیکھتے ہیں پھر جو حدیث ان کی خواہش کے موافق ہوتی ہے چاہے وہ ضعیف، باطل اور موضوع ہی کیوں نہ ہو اسے لے لیتے ہیں اور جو مخالف ہو چاہے وہ اعلی درجے کی صحیح روایت ہی کیوں نہ ہو اسے ترک کردیتے ہیں یا صحیح حدیث کی من مانی تشریح اور تاویل کرکے اپنی نفس پرستی اور خواہش کے موافق بنالیتے ہیں اور اگر تاویل نہ بن پڑے تو اس کا انکار ہی کردیتے ہیں۔

اس نازیبا روش کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہواپرست پہلے ایک نظریہ اور عقیدہ قائم کرتا ہے پھر اس کی دلیل ڈھونڈھتا ہے اور کھینچ تان کر زبردستی کسی نص سے اپنے باطل عقیدہ پر استدلال کرنے کی بے جا کوشش کرتا ہے۔

ہواپرستی کی مذمت:

ہواپرستی کی مذمت میں قرآن میں متعدد آیتیں نازل ہوئی ہیں:

اللہ تعالی نے فرمایا: وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاه. (الاعراف:۱۷۶)۔

’’اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کردیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا‘‘۔

اور فرمایا: أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ، وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ، غِشَاوَةٌ فَمَن يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّه. (الجاثیۃ:۲۳)۔

’’کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنارکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کردیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے، اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟‘‘۔

سلف صالحین کہا کرتے تھے:

"احذروا من الناس صنفين صاحب هوى فتنه هواه، وصاحب دنيا أعجبنه دنياه". (اعلام الموقعین، ابن القیم: ۲/ ۲۸۷)۔

''دوطرح کے لوگوں سے بچو، ایک وہ جو ہوا پرستی کے فتنہ کا شکار ہو، دوسرا جو دنیا دار ہو اور دنیا کے پیچھے بھاگتا ہو''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"أكثر ما فيه الخطأ من جهتين إحداهما: قوم اعتقدوا معاني، ثم أرادوا حمل ألفاظ القرآن عليها. والثانية: قوم فسروا القرآن بمجرد ما يسوغ أن يريده بكلامه مَن كان من الناطقين بلغة العرب من غير نظر إلى المتكلم بالقرآن، والمنزل عليه، والمخاطب به. فـ"الأولون" راعوا المعنى الذى رأوه من غير نظر إلى ما تستحقه ألفاظ القرآن من الدلالة والبيان، و"الآخرون" راعوا مجرد اللفظ، وما يجوز عندهم أن يريد به العربى من غير نظر إلى ما يصلح للمتكلم به، ولسياقى الكلام". (مجموع الفتاوی: ۱۳/ ۳۵۵)۔

''دو قسم کے لوگوں سے اکثر غلطیاں سرزد ہوتی ہیں: ایک وہ لوگ جو پہلے کسی معنی کا اعتقاد رکھتے ہیں، پھر قرآن کے الفاظ کو اس معنی پر محمول کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو صرف عربی زبان اور لغت کی مدد سے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں اور اس بات کی رعایت نہیں کرتے ہیں کہ قرآن نازل کرنے والا کون ہے؟ کس پر نازل کیا گیا؟ اور اس کے مخاطب کون ہیں؟ پہلی قسم کے لوگوں نے اپنے عقیدے کے اعتبار سے معنی مراد لیا، لیکن یہ نہیں دیکھا کہ قرآن کے الفاظ کا حقیقی مدلول اور تشریح کیا ہے۔ جبکہ دوسری قسم کے لوگوں نے صرف لفظ کی رعایت کی، متکلم اور سیاقِ کلام پر دھیان نہیں دیا''۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

"طوائف من أهل البدع اعتقدوا مذهبًا يخالف الحق الذى عليه الأمة الوسط الذين لا يجتمعون على ضلالة كسلف الأمة وأئمتها، وعَمَدُوا إلى القرآن فتأولوه على آرائهم. تارة يستدلون بآيات على مذهبهم، ولا دلالة فيها، وتارة يتأولون ما يخالف مذهبهم بما يحرفون به الكلم عن مواضعه، ومن هؤلاء فرق الخوارج، والروافض، والجهمية، والمعتزلة، والقدرية، والمرجئة، وغيرهم". (مجموع الفتاوی: ۱۳/ ۳۵۶)۔

''بدعتی فرقوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ پہلے حق اور امتِ وسط جو کبھی گمراہی پر اکٹھا نہیں ہوسکتی ہے جیسے ائمہ اور سلف صالحین وغیرہم، کے عقیدے کے مخالف کوئی عقیدہ قائم کرتے ہیں، پھر قرآن کا رخ کرتے ہیں اور اپنے عقیدہ اور مذہب کے اعتبار سے اس کی بے جا تاویل کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ اپنے مذہب کی تائید میں ایسی آیتوں سے بھی استدلال کرتے نظر آتے ہیں جن میں اس کی دلالت موجود ہی نہیں ہوتی ہے اور کبھی اپنے مذہب کے مخالف

دلیلوں میں تحریف کرکے انھیں اپنے مذہب کے موافق بناتے ہیں۔خوارج، روافض، جہمیہ، معتزلہ، قدریہ اورمرجئہ وغیرہ کا یہی طریقہ ہے''۔

۲- عربی زبان سے ناواقفیت:

عربی زبان کے اسرار ورموز، اسالیبِ کلام، مفردات کے معانی اور مدلولاتِ الفاظ سے واقفیت نیز نحو وصرف میں مہارت کے بغیر کوئی شخص کتاب وسنت کے نصوص کو صحیح طریقہ سے سمجھ نہیں سکتا ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور حدیث بھی عربی زبان میں ہے، اب اگر کوئی شخص ان امور میں دسترس حاصل کیے بغیر بہ تکلف قرآن وحدیث کی تفسیر اور تشریح کرے تو وہ بلاعلم بات کرنے کی وعید کا مستحق ٹھہرے گا اور قرآن وحدیث کے بارے میں اس کا فہم نامعتبر ہوگا نیز شریعت میں وہ ایسی باتوں کے داخل کرنے کا مرتکب ہوگا جن سے اللہ اور اس کے رسول بری ہیں، یہی وجہ ہے کہ دین میں بے شمار بدعتیں عجم کے راستے سے داخل ہوئی ہیں۔

حسن بصری (م ۱۱۰ھ) رحمہ اللہ اللہ فرماتے ہیں:

"أهلكتهم العُجمة: يتأولونه على غير تأويله". (تفسیر القرآن من جامع ابن وہب (۳/۴۴))۔

''انہیں عجمیت (عربی زبان کی عدم معرفت) نے ہلاک کردیا، وہ نص کی بے جا تاویل کرتے ہیں''۔

امام شاطبی (م۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لزم كل من أراد أن ينظر فى الكتاب والسنة أن يتعلم الكلام الذى به أُديت، وأن لا يحسن ظنه بنفسه قبل الشهادة له من أهل علم العربية بأنه يستحق النظر، وأن لا يستقل بنفسه فى المسائل المشكلة التى لم يُحط بها علمه دون أن يسأل عنها من هو من أهلها، فإن ثبت على هذه الوصاة كان - إن شاء الله - موافقا لما كان عليه رسول الله وأصحابه الكرام". (الاعتصام (۳/۲۶۰))۔

''ہر اس شخص پر جو کتاب وسنت میں غور وفکر کا ارادہ رکھتا ہے لازم ہے کہ جس زبان میں کتاب وسنت کا نزول ہوا ہے اسے سیکھے اور اس وقت تک اپنے بارے میں حسنِ ظن قائم نہ کرے جب تک عربی زبان کے جانکار یہ گواہی نہ دے دیں کہ وہ کتاب وسنت میں غور وفکر کرنے کا اہل ہو چکا ہے اور جن مشکل مسائل کا اسے علم نہ ہو ان کے بارے اپنی کوئی مستقل رائے پیش نہ کرے یہاں تک کہ اہلِ علم سے ان کے بارے میں پوچھ لے، اگر کوئی اس نصیحت کو لازم پکڑتا ہے تو ان شاء اللہ وہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقے پر گامزن ہے''۔

حافظ ابن عبدالبر (م۴۶۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومما يُستعان به على فهم الحديث ما ذكرناه من العون على كتاب الله عز وجل وهو العلم بلسان العرب، ومواقع كلامها، وسعة لغتها، وأشعارها، ومجازها، وعموم لفظ مخاطبتها، وخصوصه وسائر مذاهبها لمن قدر فهو شىء لا يستغنى عنه، وكان عمر بن الخطاب انه يكتب إلى الآفاق أن يتعلموا السنة، والفرائض، واللحن يعنى النحو كما

يتعلم القرآن".(جامع بیان العلم وفضلہ (۲/ ۱۱۲۹)۔

''قرآن اور حدیث فہمی کے لیے جن چیزوں سے مدد لی جاتی ہے ان میں سے عربی زبان اور اس کے استعمال کی جگہوں کا جاننا،عربی لغت کی وسعت کو سمجھنا،اس کے اشعار، مجاز،الفاظ کے عموم اور خصوص اور دیگر اصول وقواعد کا علم رکھنا ہے۔ ان امور سے بے نیاز ہوکر قرآن وحدیث کو سمجھنا ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ عمر بن الخطاب اپنے دورِ خلافت میں دور دراز علاقوں میں یہ مکتوب ارسال کرتے تھے کہ حدیث،فرائض اور علمِ نحو کو اسی طرح سیکھو جس طرح قرآن سیکھا جاتا ہے''۔

۳-تقلید جامد:

جس طرح علم اور جہل ایک دوسرے کی ضد ہیں اسی طرح تقلید اور دلیل دو متضاد چیزیں ہیں۔مقلد کو دلیل سے نہیں بلکہ اپنے امام کے قول سے سروکار رہوتا ہے۔مسلمانوں کو اتباع کا حکم ہے جبکہ تقلید اس کے خلاف ہے۔تقلیدِ جامد زہر ہلاہل ہے۔ تعصب وعناد اور فتنہ وفساد کا دروازہ ہے۔اس بندھن میں بندھ جانے والا گویا اپنی عقل پر تالا لگا دیتا ہے پھر نہ عقل سے سوچتا ہے، نہ بولتا ہے اور نہ ہی اس کے مطابق عمل کرتا ہے جو کہ بلاشبہ ایک عالمِ دین کی شان کے خلاف ہے۔

جہاں تک ائمہ کرام،فقہائے عظام اور علمائے امت سے استفادے کی بات ہے تو بلاشبہ جو جس فن میں ماہر ہو اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کی جانب رجوع کرنے کا تاکیدی حکم ہے اور یہ عمل قابلِ ستائش ہے، بشرطیکہ انسان ذہن ودماغ کو کھلا رکھے،حق کا طلبگار رہو اور تقلید وتعصب کی بیڑیوں سے آزاد ہو۔

تقلید وجمود کی بے شمار خرابیوں میں سے یہ ہے کہ وہ نصوص فہمی کی راہ میں رکاوٹ ہے، کیونکہ مقلد ایک خاص زاویے سے ان پر نظر ڈالتا اور ان کے معانی ومفاہیم کی تعیین کرتا ہے،''برصغیر میں کتبِ احادیث کو سب سے آخر میں پڑھانے اور دورہ کرانے کی مصلحت نظریہ تقلید کی حفاظت ہے،مقلدین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ احادیث کو اپنے امام کی فقہ کی عینک سے دیکھا جائے، پہلے طالب علم کو فقہ اور اصولِ فقہ کی تمام متعلقہ کتب پڑھالی جاتی ہیں اور جب اس کے ذہن پر فقہ کی مضبوط چھاپ پڑ جاتی ہے تو وہ قرآن وسنت سے نتائج اخذ کرنے میں وہی روش اختیار کرتا ہے جو اس کے نصابِ تعلیم کی ترتیب کا منطقی نتیجہ ہونا چاہیے چنانچہ وہ اپنے امام سے ہٹ کر کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں رہتا''(قرآن فہمی کے بنیادی اصول (مجموعہ مقالات) (ص:۱۴۵)۔

خاص طور سے اس وقت جب کوئی آیت یا حدیث اس کے امام کی رائے کے خلاف ہو تو وہ اس ضابطے کو بالکلیہ نظر انداز کردیتا ہے کہ لوگوں کے اقوال، اللہ اور اس کے رسول کے اقوال کے تابع ہیں نہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے اقوال،لوگوں کے اقوال کے۔

امام ابن تیمیہ(م ۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ليس لأحد أن يحمل كلام الله ورسوله على وفق مذهبه إن لم يتبين من كلام الله له ما يدل على مراد ورسوله . الله ورسوله وإلا فأقوال العلماء تابعة لقول الله تعالى ورسوله،

ليس قول الله ورسوله تابعا لأقوالهم. فإذا كان في وجوب شيء نزاع بين العلماء، ولفظ الشارع قد اطرد في معنى؛ لم يجز أن ينقض الأصل المعروف من كلام الله ورسوله بقول فيه نزاع بين العلماء. ولكن من الناس من لا يعرف مذاهب أهل العلم، وقد نشأ على قول لا يعرف غيره فيظنه إجماعا". (مجموع الفتاوی (۷/۳۵)۔

''کسی کے لیے جائز نہیں کہ اگر اس کے لیے اللہ اور رسول کے کلام کی مراد واضح نہ ہو تو وہ اسے اپنے مذہب کی موافقت پر محمول کرے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ علما کے اقوال، اللہ اور رسول کے قول کے تابع ہیں نہ کہ اللہ اور رسول کا قول ان کے اقوال کے۔ لہذا جب کسی چیز کے وجوب میں علما کے درمیان اختلاف ہو جائے اور شارع کا لفظ عام ہو تو جائز نہیں کہ اس اختلاف کی وجہ سے اللہ اور رسول کے کلام سے متعلق اس معروف قاعدے کو ترک کر دیا جائے، لیکن بعض لوگ خاص مذہب پر تربیت پانے کی وجہ سے بسا اوقات دیگر اہلِ علم کے اقوال و مذاہب سے ناواقف ہوتے ہیں اور سوچتے ہیں جس کو وہ اختیار کیے ہوئے ہیں وہی متفق علیہ مسئلہ ہے''۔

۴- غلو:

کسی بھی عمل میں حد سے تجاوز کرنے کو غلو کہا جاتا ہے، فرد اور معاشرے پر ہمیشہ غلو کے مضر اثرات مرتب ہوئے ہیں، کیونکہ غلو ایک بیماری ہے جو راہ حق میں رکاوٹ، اختلاف وانتشار کا سبب اور بدعات وخرافات، عداوت ودشمنی، قتل وخونریزی اور فرقہ بندی کی جڑ ہے۔ روئے زمین پر سب سے پہلے شرک کا وقوع صالحین کے بارے میں غلو ہی کے سبب ہوا۔

اہل سنت وجماعت کے اہم ترین خصائص میں سے غلو سے دوری اور قول وعمل میں میانہ روی اختیار کرنا ہے اور اہلِ بدعت کی خاص نشانیوں میں سے جہالت، علمائے حق سے دوری، افراط وتفریط اور دین میں غلو اختیار کرنا ہے۔ خوارج نے غلو ہی کی وجہ سے فہمِ احادیث میں غلطی کی اور نظریہ تکفیر کو اختیار کرتے ہوئے مرتکب کبیرہ کو کافر قرار دیا۔

غلو اور بے جا سختی کی وجہ سے خوارج جن احادیث کے فہم میں انحراف کا شکار ہوئے ان میں سے بعض یہ ہیں:

- حدیث: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". (صحیح البخاری (۱/۲۷ رقم ۴۸)، صحیح مسلم (۱/۸۱ درقم ۱۱۶)۔

- حدیث: "لا ترجعوا بعدي كفارًا يضرب بعضكم رقابَ بعضٍ". (صحیح البخاری (۱/۳۵ رقم ۱۲۱)، صحیح مسلم (۱/۸۲ درقم ۱۲۰)۔

- حدیث: "إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار". (صحیح البخاری (۱/۱۵ رقم ۳۱)، صحیح مسلم (۴/۲۲۱۴ درقم ۲۸۸۸)۔

- حدیث: "أما رجل قال لأخيه: يا كافر، فقد باء بها أحدهما". (صحیح البخاری (۸/۲۶ رقم ۶۱۰۴)، صحیح مسلم (۱/۷۹ رقم ۶۰)۔

- حدیث: "لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن، ولا يسرق السارق حين يسرق

وھو مؤمن ". (صحیح البخاری (۸/ ۱۵۹ رقم ۶۷۸۲)، صحیح مسلم (۱/ ۵۴ رقم ۱۰۰)۔

یہ اور اس طرح کے دیگر نصوص پر خوارج کے عقیدہ تکفیر کی بنیاد ہے انھوں نے مرتکب کبیرہ کے کافر ہونے کا استدلال ان جیسی احادیث سے کیا ہے جو کہ باطلِ محض ہے۔

اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے کوئی مسلمان کافر یا اسلام وایمان سے بالکلیہ خارج نہیں ہوتا، کیونکہ اگر وہ ان اعمال کی وجہ سے اسلام سے خارج ہوجاتا تو اسے مرتد مانا جاتا اور ہر حال میں قتل کردیا جاتا۔ زنا، چوری اور شراب خوری میں اس پر حد قائم نہیں کی جاتی بلکہ کافر قرار دے کر اس کا سر قلم کردیا جاتا، جبکہ کتاب وسنت کے نصوص اور اجماعِ امت سے معلوم ہوتا ہے کہ زانی، چور اور تہمت لگانے والے شخص کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر حد قائم ہوگی جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ وہ مرتد نہیں ہے۔ لہٰذا ان احادیث سے خوارج کا استدلال واضح طور پر باطل اور حدیث فہمی میں انحراف ہے۔ سلف صالحین نے ان احادیث کو زجر وتوبیخ پر محمول کیا ہے یا اس سے کفر اصغر یا کفر عملی مراد لیا ہے جس سے اسلام سے خارج ہونا لازم نہیں آتا ہے یا اس سے وہ شخص مراد ہے جو ان کبائر کو بغیر کسی تاویل کے حلال سمجھ کر انجام دیتا ہو۔ (فتنہ خوارج سے متعلق مزید جانکاری کے لیے دیکھیے: "التنبيه والرد على أهل الأهواء والبدع" محمد بن احمد ملطی عسقلانی (م ۳۷۷)، "الخوارج: نشأتهم، فرقهم، صفاتهم، الرد على أبرز عقائدهم" ،ڈاکٹر سلیمان بن صالح الغصن، "الخوارج أول الفرق فى تاريخ الإسلام"، ناصر عبدالکریم العقل)۔

۵-تعصب:

تعصب چاہے کسی جماعت کے لیے ہو یا کسی فرد، مذہب، رائے، فکر اور عقیدے کے لیے، ہر صورت میں مذموم ہے، کیونکہ تعصب ایک خطرناک عمل اور نفسیاتی عارضہ ہے جو انسان کو فکری انحراف تک لے جاتا ہے اور افراد ومعاشرے پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے تعصب اور جاہلی دہائیوں سے منع فرمایا ہے، جابر بن عبداللہ سے مروی ہے:

"كنا فى غزاة، فكَسَع رجل من المهاجرين رجلا من الأنصار، فقال الأنصارى: يا للأنصار، وقال المهاجرى: يا للمهاجرين، فَسَمَّعَها الله رسوله، قال: ما هذا؟ - وفى رواية: ما بال دعوى الجاهلية ؟ فقالوا: كَسَع رجل من المهاجرين رجلا من الأنصار، فقال النبى: دَعُوها فإنها مُنْتِنَة". (صحیح البخاری (۶/ ۱۵۴ رقم ۴۹۰۵)، صحیح مسلم (۴/ ۱۹۹۸ درقم ۲۵۸۴)۔

"ہم ایک غزوہ (تبوک) میں تھے کہ مہاجرین کے ایک آدمی نے انصار کے ایک آدمی کو لات ماردی، انصاری نے کہا کہ اے انصاریو! مدد کرو اور مہاجر نے کہا اے مہاجرین! مدد کرو۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے اسے سنا اور فرمایا کہ کیا ماجرا ہے؟ - ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کہا: یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے؟ - لوگوں نے بتایا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو لات ماردی ہے، نبی کریم ﷺ

نے فرمایا: اس طرح جاہلیت کی پکار کو چھوڑ دو، یہ نہایت ناپاک اور بدبودار باتیں ہیں''۔

فہم نص میں غلطی کے اسباب میں سے کسی رائے سے اس قدر متاثر ہوجانا ہے کہ وہ تعصب کی صورت اختیار کرجائے اس طرح کہ انسان اس رائے کو حق اور مخالف کی رائے کو باطل تصور کرنے لگے پھر وہ جب کسی نص کو اپنی اس رائے کے مخالف پائے اور اس کے انکار کی جرأت اس کے اندر نہ ہو تو بے جا تاویل وتفسیر کرنے لگے یا نص فہمی کے اصول وضوابط کو نظر انداز کرکے بہ تکلف اس کا معنی بیان کرے اور غلطی کر بیٹھے، بلا شبہ تعصب اور ہٹ دھرمی کی عینک ہٹا کر ہی انسان کسی نص کے صحیح مفہوم تک پہنچ سکتا ہے اور بظاہر متعارض احادیث کے درمیان تطبیق دے سکتا ہے۔

۶- مقاصد شریعت سے روگردانی:

مقاصدِ شریعت سے مراد ہے:

"الغايات التى وضعت الشريعة لأجل تحقيقها، لمصلحة العباد". (نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی (ص:۷)۔

''وہ مقاصد واہداف ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لیے شریعت بنائی گی ہے اور جن میں بندوں کی دنیوی واخروی مصلحتیں مضمر ہیں''۔

شریعت کے اولین مقاصد میں دین، جان، مال، عقل اور نسل انسانی کا تحفظ ہے اور حدیث فہمی کے وقت مقاصد شریعت کی رعایت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت وضع کرنے کے اغراض واہداف کو ذہن میں رکھتے ہوئے حدیث کا معنی متعین کیا جائے۔

حدیث کا حرفی اور ظاہری معنی اس وقت تک معتبر ہوگا جب تک وہ شریعت کے مقاصد واہداف سے متصادم نہ ہو، ورنہ مقاصد شریعت کو مقدم کرنا ضروری ہے۔ فہم حدیث میں مقاصد شریعت کی رعایت کی ایک واضح دلیل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے:

"بعث رسول الله ﷺ سرية، واستعمل عليهم رجلا من الأنصار، وأمرهم أن يسمعوا له ويطيعوا، فأغضبوه فى شىء. فقال: اجمعوا لى حطبًا، فجمعوا له، ثم قال: أوقدوا نارًا، فأوقدوا، ثم قال: ألم يأمركم رسول الله ﷺ أن تسمعوا لى وتطيعوا؟ قالوا: بلى، قال: فادخلوها، قال: فنظر بعضهم إلى بعض فقالوا: إنما فررنا إلى رسول الله ﷺ من النار. فكانوا كذلك. وسكن غضبه، وطفئت النار، فلما رجعوا ذكروا ذلك للنبى ﷺ. فقال: لو دخلوها ما خرجوا منها، إنما الطاعة فى المعروف". (صحیح بخاری (۹/۶۳ رقم ۷۱۴۵)، صحیح مسلم (۳/۱۴۶۹ رقم ۱۸۴۰) واللفظ لہ۔

''اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دستہ بھیجا اور اس پر انصار کے ایک شخص کو امیر بنایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی اطاعت کریں، پھر لوگوں نے امیر کو کسی بات پر غصہ دلا دیا، تو اس نے حکم دیا کہ لکڑی جمع کرو، لوگوں نے جمع کیا، کہا کہ اس میں آگ لگاؤ، لوگوں نے ایسا ہی کیا، پھر کہا کہ کیا اللہ کے رسول ﷺ ہم نے تمھیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ میری اطاعت کرو؟ لوگوں نے کہا: ضرور دیا ہے، اس پر امیر نے

کہا: تم لوگ آگ میں کود پڑو، تو وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور بولے: ہم آگ سے بچنے ہی کے لیے نبی کریم ﷺ کے پاس بھاگ کر آئے ہیں۔ پھر وہ اسی طرح باقی رہے اور امیر کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور اسی دوران آگ بھی بجھ گئی، جب وہ لوگ واپس آئے تو نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اگر یہ لوگ آگ میں کود پڑتے تو پھر اس میں سے نکل نہ سکتے۔ اطاعت صرف اچھی باتوں میں ہے''۔

ابوالعباس قرطبی (م ۶۵۶ھ) رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''أن القول الأول أي: لو دخلوها يدل على ذم المقصر المخطئ وتعصيته، مع أنه ما كان تقدم لهم في مثل تلك النازلة نص، لكنهم قصروا حيث لم ينظروا في قواعد الشريعة الكلية ومقاصدها المعلومة الجلية''. (المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم (۴/۴۰)۔

''آپ ﷺ کے فرمان (اگر وہ لوگ آگ میں کود گئے ہوتے تو اس سے باہر نہ نکل سکتے) سے معلوم ہوتا ہے کہ کوتاہی کے سبب غلطی اور معصیت کا ارتکاب کرنے والا قابل مذمت ہے، کیونکہ اگر چہ اس طرح کے مسئلہ میں ان صحابہ کرام کے پاس کوئی سابقہ حکم نہیں تھا، مگر پھر بھی یہ ان کی کوتاہی تھی اس لیے کہ انھوں نے شریعت کے واضح مقاصد اور قواعد کلیہ کو نظر انداز کر دیا تھا''۔

مقاصد شریعت کی رعایت نہ کرنا حدیث فہمی کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ شریعت کے مقاصد کا لحاظ کیے بغیر حدیث کے معنی کو متعین کرنے میں لوگوں سے عموماً غلطی ہوتی ہے۔ وہ شارع کی مراد کو کما حقہ نہیں سمجھ پاتے ہیں اور بے جا تاویل کرنے والوں کے زمرے میں داخل ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ شارحین حدیث مقاصد شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے حدیث کی شرح اور اس سے مسائل اور احکام کا استنباط کرتے ہیں اور اپنی آراء واجتہاد کی بنیاد اسی پر رکھتے ہیں۔

علامہ اتیوبی (م ۱۴۴۲ھ) رحمہ اللہ حدیث: ''فزوجه بما معه من سور القرآن'' کی شرح میں عقد نکاح کے کلمات سے متعلق اہلِ علم کے اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''وحاصله أن النكاح ينعقد بكل ما تعارفه الناسُ من الألفاظ، ولو بغير العربية لمن يحسنها؛ لأنه الموافق لمقاصد الشريعة، فإنّ الشرع لم يُضَيِّق في النكاح على الناس باتباع صيغة معينة، أو كونه بالعربية، بل هو كسائر العقود الجارية بينهم التي تجوز مطلقا كالطلاق، والرجعة، والعتاق، والبيع، والشراء، والإجارة، وغيرها''. (ذخيرة العقبى في شرح المجتبى (۲۶/۳۹۳)۔

''حاصل کلام یہ ہے کہ نکاح ہر اس لفظ سے منعقد ہو جائے گا جو لوگوں کے درمیان متعارف ہو چاہے وہ عربی زبان کے علاوہ ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ درست صیغہ استعمال کیا جائے، اس لیے کہ یہی بات قاصد شریعت کے موافق ہے۔ شریعت نے لوگوں پر تنگی اور سختی کرتے ہوئے مخصوص

الفاظ یا عربی زبان میں ہونے کو ہی ضروری نہیں قرار دیا ہے، نکاح بھی دیگر معاملات کی طرح ایک معاملہ ہے جس میں عرف عام کا اعتبار کیا جائے گا جسے طلاق، رجعت، آزادی، خرید وفروخت وغیرہ میں ہوتا ہے۔

مقاصد شریعت سے روگردانی کے سبب فہم حدیث میں غلطی کی مثال:

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"كنا نعزل على عهد النبي والقرآن ينزل".

(صحیح البخاری (۷/۳۳رقم ۵۲۰۹) واللفظ لہ،صحیح مسلم(۲/۱۰۶۵رقم ۱۴۴۰)۔

''ہم نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھےاور قرآن نازل ہورہا تھا''۔

(عزل: استقرار حمل سے بچنے کے لیے عورت سے ہمبستری کے وقت اس کی شرمگاہ کے باہر منی خارج کرنا۔ دیکھیے: الغریبین فی القرآن والحدیث(۴/۱۲۷۰)۔

اس حدیث سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ دائمی برتھ کنٹرول یا خاندانی منصوبہ بندی مطلق طور پر جائز ہے۔

مگر یہ استدلال غلط ہے اور اس غلطی کی وجہ مقاصد شریعت اور روح اسلام سے روگردانی ہے۔ کیونکہ شریعت کا ایک اہم مقصد نسل انسانی کا تحفظ ہے اور یہ بات واضح ہے کہ نس بندی یا دائمی برتھ کنٹرول اس مقصد سے متصادم ہے اور اسی طرح یہ استدلال افزائش نسل پر ترغیب دینے والی احادیث کے بھی خلاف ہے لہٰذا بغیر کسی شرعی عذر کے دائمی ضبط تولید جائز نہیں ہے، البتہ کسی عذر شرعی کی وجہ سے عارضی طور پر اور مخصوص مدت تک کے لیے ضبط ولادت کرنے کی اجازت ہے اور اسی پر عزل کے جواز والی حدیث کو محمول کیا جائے گا۔ مزید یہ کہ ضروری نہیں کہ عزل کرنے سے حمل نہ ٹھہرے کیونکہ عزل کے باوجود منی کا معمولی قطرہ رحم مادر میں جاسکتا ہے اور اللہ کے حکم سے حمل استقرار پا سکتا ہے اس لیے عزل والی بعض احادیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"ليست نفس مخلوقة إلا الله خالقها" ''ہر وہ جان جس کا پیدا کیا جانا لکھ دیا گیا ہے اللہ اسے پیدا کرکے رہے گا''۔(صحیح البخاری(۹/۱۲۱رقم ۷۴۰۹)، صحیح مسلم(۲/۱۰۶۳رقم ۱۴۳۸)۔

معلوم ہوا کہ عزل والی حدیث سے دائمی ضبط تولید کے جواز کا استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

۷- منہج سلف سے اعراض:

اس میں اختلاف نہیں کہ کتاب وسنت کے بارے میں سلف کا علم تمام امت میں سب سے زیادہ ٹھوس اور قابلِ اعتماد ہے۔ سلف صالحین امت کے لیے بڑے خیر خواہ تھے۔ انھوں نے کتاب وسنت کو صحیح معنوں میں سمجھا اور ان کی درست تفسیر وتشریح کو لوگوں میں عام کیا۔ اس لیے اہل علم کے نزدیک سلف کا اجتماعی فہم حجت ہے اور ان کے متفقہ فہم سے روگردانی ضلالت اور گمراہی ہے۔

امام شاطبی (م ۷۹۰ھ) رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"يجب على كل ناظر في الدليل الشرعي مراعاة ما فهم منه الأولون، وما كانوا عليه في العمل به: فهو أحرى بالصواب، وأقوم في العلم والعمل". (الموافقات:۳/۲۸۹)

''شرعی دلیل میں غور وخوض کرنے والے ہر شخص پر واجب ہے کہ اسلاف کے فہم اوران کے طریقۂ عمل کو مدنظر رکھے، کیونکہ یہ روش درستگی کے زیادہ لائق اور علم اور عمل میں زیادہ ٹھوس ہے''۔

علامہ البانی (م ۱۴۲۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قدیم اور جدید تمام باطل فرقوں کی گمراہی کی اصل وجہ اس اصول کو چھوڑ دینا ہے کہ ہم کتاب وسنت کو سلف صالحین کے منہج کے مطابق سمجھیں۔ معتزلہ، مرجئہ، قدریہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ وغیرہ فرقوں میں جتنے انحرافات ہیں ان کا سبب صرف یہ ہے کہ انھوں نے سلف صالحین کے منہج کو مضبوطی سے نہیں تھاما، اسی لیے محققین علما کا کہنا ہے: "وكل خير في اتباع من سلف، وكل شر في اتباع من خلف" (حاشیۃ البجیرمی: ۳۸۲/۲)۔ ہر قسم کی بھلائی اتباع سلف میں ہے اور ہر قسم کی برائی متاخرین کی جدت طرازی میں ہے'' (دروس الشیخ الالبانی)۔

علامہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعين وتفسيرهم إلى ما يخالف ذلك كان مخطئا فى ذلك، بل مبتدعا، وإن كان مجتهدا مغفورا له خطؤه". (مجموع الفتاوی: ۳۶۱/۱۳)

''جس نے صحابہ اور تابعین کے مذہب اور ان کی تفسیر کو چھوڑ کر اس کے مخالف کسی دوسرے مذہب کو اختیار کیا وہ نہ صرف غلطی پر ہے بلکہ بدعتی ہے اگر چہ مجتہدانہ کوشش کی وجہ سے اس کی غلطی معاف کردی جائے''۔

ابن وزیر (م ۸۴۰ھ) رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''کوئی بھی شخص بدعت سے اس وقت تک نہ تو بچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا عقیدہ صحیح سالم ہوسکتا ہے جب تک کہ اس کا اسلام سلف کے اسلام کے مانند نہ ہو جائے اور جب تک وہ فہم نصوص میں اسی منہج کو اختیار نہ کرے جسے سلف نے اختیار کیا تھا اور جس امر کا مکلّف نہیں ہے اسے سیکھنا ترک نہ کردے۔ یہی ائمہ کا طریقہ ہے''۔ (ایثار الحق، ص: ۱۲۲)

۸- نقل پر عقل کو مقدم کرنا:

نقل صحیح (یعنی نصوص صحیحہ) عقل صحیح کے مخالف نہیں ہوتا بلکہ دونوں میں توافق پایا جاتا ہے اور یہ کہ عقل نصوص کی تابع ہے نہ کہ کتاب وسنت کے نصوص عقل کے۔

اگر عقل اور نقل آپس میں متعارض ہوں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو عقل میں خلل ہے یا نقل صحیح نہیں ہے۔ کتاب وسنت کے نصوص پر غور وفکر کرتے وقت اس قاعدے کا اگر التزام کیا جائے تو نصوص کی بے جا تاویل کرنے یا اسے توڑ مروڑ کر خواہش نفس کے موافق بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، مگر کچھ لوگ جن کے ذہن ودماغ میں فتور ہوتا ہے اور منہج میں کجی اور فکر میں کھوٹ ہوتی ہے یا غیر اسلامی نقطۂ نظر سے متاثر ہوتے ہیں وہ اپنی عقلوں کو سب سے بالاتر سمجھتے ہیں، نتیجتاً حدیث فہمی میں ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور احادیث نبویہ کی غلط تاویل اور تشریح کرکے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔

علامہ اسماعیل سلفی گوجرانوالہ (م ۱۹۶۸ء) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سرسید اور شبلی نعمانی وغیرہ نے اساسی طور پر عقل کو

حکم قرار دیا، جو چیز ان کی عقول سے بالاتر ہوتی ہیں اس کا انکار کر دیتے اور بڑی سنجیدگی سے فرماتے: ''یہ نیچر اور فطرت کے خلاف ہے''، یہ نیچر اور فطرت عموم اور شمول کے لحاظ سے درایت اور فقہ راوی سے کچھ ملتی جلتی تھی۔ نہ اس ''فقہ ودرایت'' کا کوئی پیمانہ تھا نہ اس ''نیچر اور فطرت'' کا کوئی اصل اور مقدار ہے، اندھے کی لاٹھی ہے جس طرف گھوم جائے گھوم جائے، سرسید بالقابہ اور ان کے رفقاء نے اس کا استعمال قرآن پر بھی کیا اور حدیث پر بھی، قرآن سمجھ میں نہ آتا تو حسب منشا تاویل کرتے اور حدیث کا انکار کر دیتے، اور نیچر کا معیار ہر آدمی تھا''۔(مقدمہ حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان:۲۹)

۹- علمائے حق سے دوری:

حدیث فہمی کے لیے معتبر علمائے حدیث کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، کیونکہ علمائے دین انبیائے کرام کے وارث، علم ونور کے مینار اور صحیح علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اہل ذکر کے نام سے موسوم فرما کر ان سے علمی استفسار کا حکم دیا ہے، فرمایا: "فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون" (الانبیاء:۷) ''پس تم اہل علم سے پوچھ لو اگر خود تمھیں علم نہ ہو''۔

علمائے حق سے دوری کے نہایت سنگین اور خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں اور عقل پرستی اور ہوا پرستی کا دروازہ کھلتا ہے۔

اہل علم کو چھوڑ کر صرف کتابوں سے علم حاصل کرنے والے مفکرین اور روشن خیالوں کا علم ہمیشہ ناقص ہوتا ہے، وہ نصوص کی عجیب وغریب تشریح کرتے ہیں اور فہم نص میں ٹھوکر کھا کر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، کیونکہ عام لوگ ان سے مرعوب ہو کر ان کی ہر بات کو سند اور قابل عمل سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی غیر معتبر باتوں کو بھی غور وفکر کیے بغیر بآسانی قبول کر لیتے ہیں، اس طرح ان کے غلط نظریات اور باطل افکار لوگوں میں عام ہو جاتے ہیں، لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم اس قسم کے لوگوں کو پہچانیں اور ان کے گمراہ کن نظریات سے خود کو محفوظ رکھیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اہل علم کی اہمیت اور جاہلوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"إن اللّٰه لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من الناس، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى إذا لم يترك عالما اتخذ الناس رؤوسا جهالا، فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا، وأضلوا". (صحیح البخاری:۱/۳۱ رقم ۱۰۰، صحیح مسلم:۲۶۷۳)

''اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں سے چھین لے، بلکہ وہ علما کو موت دے کر علم اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے جواب دیں گے، اس لیے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے''۔

حافظ ابن حجر (م۸۵۲ھ) رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"وفى الحديث الحث على حفظ العلم، والتحذير من ترئيس الجهلة، وفيه أن الفتوى هى الرئاسة الحقيقية، وذم من يُقْدِمُ عليها

بغیر علم".(فتح الباری:۱/۱۹۵)

''اس حدیث میں علم کو محفوظ کرنے پر ابھارا گیا ہے اور جاہلوں کو سردار بنانے سے روکا گیا ہے اور یہ کہ فتویٰ دینا ہی حقیقی سرداری ہے نیز اس حدیث میں بلا علم فتوی دینے والوں کی مذمت کی گئی ہے''۔

مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو لوگ دین اسلام (خواہ وہ قرآنی آیات ہوں یا احادیث رسول ﷺ) پر اعتراض کرتے ہیں وہ یا تو جاہل اور بے دین ہوتے ہیں یا شرعی علوم کے سوا کسی اور فن میں مہارت رکھتے ہیں، یا ان کی دینی معلومات کا ماخذ انٹرنیٹ، اخبار، جرائد اور غیر معتبر علما کی کتابیں ہوتی ہیں اور انھیں علمائے راسخین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اس لیے جب آپ منکرین حدیث چاہے انکار جزئی ہی کیوں نہ ہو، کی زندگی اور علمی احوال پر نظر ڈالیں گے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ یہ عموما وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں مثقف، روشن خیال اور مفکر ملت کے طور پر جانا جاتا ہے اور جنھیں یہ زعم ہوتا ہے کہ ان کی سوچ، ان کا فہم سب سے عمدہ اور سب پر مقدم ہے، وہ ہر موضوع اور ہر مسئلہ پر کلام کرنا اور اپنی رائے دوسروں پر تھوپنا اپنا بنیادی حق تصور کرتے ہیں، حالانکہ ان کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ یا تو پیشے سے ڈاکٹر ہے یا انجینئر یا وکیل اور اگر علم وفن سے کسی کا رشتہ ہے بھی تو ادب وبلاغت وغیرہ سے، نہ کی حدیث اور علم حدیث سے۔ اسی لیے یہ مفکرین جب حدیث یا علم حدیث پر کلام کرتے ہیں تو ان کے یہاں عجائب وغرائب کی بھرمار ہوتی ہے، جس سے حدیث کا ادنی طالب علم بھی ان کی کم علمی، بے بضاعتی اور سطحیت کو فورا بھانپ لیتا ہے، کسی نے سچ کہا ہے:

"إذا تكلم المرء في غير فنه أتى بالعجائب" (فتح الباری:۳/۵۸۴)

''جب انسان اپنے فن کو چھوڑ کر کسی اور فن میں گفتگو کرتا ہے تو عجیب وغریب شگوفے چھوڑتا ہے''۔

اور کسی نے کہا:

وللحديث رجال يعرفون به

وللدواوين حساب وكتاب

(دیکھیے: قرۃ عین المحتاج:۲/۳۸۰)

حدیث کے لیے کچھ معروف افراد ہیں جیسے دفتروں کے لیے مخصوص حساب وکتاب کرنے والے ہوتے ہیں۔

علما سے دوری کے سبب فہم حدیث میں غلطی کی مثال:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم، ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم". (صحیح مسلم:۱۳/۲۲۷ رقم ۲۵۶۴)

''اللہ تعالی تمھاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمھارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے''۔

بعض جہلا اور کوتاہ عمل لوگ شرعی احکام پر ترک عمل کے لیے اس حدیث کو حجت بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر انسان کا دل صاف اور صحیح سالم ونیز اللہ پر ایمان اور یقین ہو تو یہ نجات کے لیے کافی ہے اور عمل میں کوتاہی ضرر رساں نہیں ہے۔

جبکہ حدیث کا قطعا یہ مفہوم نہیں ہے، یہ فہم نص میں

غلطی ہے جس کا سبب علما سے دوری ہے، کیونکہ علمائے کرام نے واضح فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ عمل کی صحت وفساد کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور اعمال میں نیت ہی اصل ہے۔ اللہ تبارک وتعالی بندے کی خوب صورتی اور اس کے رنگ ونسب کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کے دل اور نیت کو دیکھتا ہے، لہٰذا اگر نیت درست ہے تو انسان کا عمل بھی درست اور نفع بخش ہے اور اگر نیت میں کھوٹ ہے تو اس کا عمل اس کے لیے بے سود بلکہ وبال جان ہے اور دوسری حدیثوں سے اس معنی کی وضاحت ہوتی ہے، جیسے:

۱- نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ألا وإن في الجسدِ مُضْغَةً إذا صَلَحَتْ صَلَحَ الجسد كله، وإذا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كله، ألا وهي القلب". (صحیح البخاری: ۱/۲۰ رقم ۵۲، صحیح مسلم: ۲/۱۲۲۰ رقم ۱۵۹۹)۔

''خبردار جسم میں ایک لوتھڑا ہے، جب وہ صحیح رہتا ہے تو پورا جسم صحیح رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے''۔

۲- عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرء ما نوى". (صحیح البخاری: ۱/۶ رقم ۱، صحیح مسلم: ۳/۱۵۱۵ رقم ۱۹۰۷)

''اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہے''۔

یہ حدیثیں صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ اصل اعتبار نیت، خلوص اور عمل صالح کا ہے مال اور جمال اور دیگر ظاہری چیزوں کا اللہ کے یہاں کوئی وزن نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰- ظاہریت:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نصوص کے ظاہری معانی و مفاہیم ہی مراد ہوا کرتے ہیں، البتہ اگر سیاق کلام، قرائن اور مقاصد شریعت وغیرہ ظاہری معنی سے ہٹ کر کسی اور معنی کے متقاضی ہوں تو اس کا اعتبار کیا جائے گا، مگر کچھ لوگ ظاہریت پر اس قدر جمود کا شکار ہوتے ہیں کہ کسی بھی حال میں ظاہری معنی سے ہٹ کر کوئی اور معنی مراد لیے جانے کو تسلیم نہیں کرتے ہیں اور اس وجہ سے فہم حدیث میں وہ غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

حافظ ابن القیم (م ۷۵۱ھ) رحمہ اللہ ظاہریت کی خرابیوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وما مَثَلُ مَن وقف مع الظواهر والألفاظ ولم يراع المقاصد والمعاني إلا كمثل رجل قيل له: لا تسلم على صاحب بدعة، فقبل يده ورجله، ولم يسلم عليه، أو قيل له: اذهب فاملأ هذه الجرة، فذهب وملأها، ثم تركها على الحوض وقال: لم تقل ائتني بها. وكمن قال لوكيله بع هذه السلعة، فباعها بدرهم، وهي تساوي مائة، ويلزم من وقف مع الظواهر أن يصحح هذا البيع، ويُلزم به الموكل، وإن نظر إلى المقاصد تناقض حيث ألغاها في غير موضع". (اعلام الموقعین: ۳/۶۰۵-۶۰۶)

''جو شخص معانی اور مقاصد کو چھوڑ کر الفاظ اور

ظاہریت کو اختیار کرتا ہے اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس سے کہا گیا ہو کہ بدعتی سے سلام مت کرنا، تو اس نے سلام نہ کرکے اس کے ہاتھ پاؤں چوم لیے ہوں، یا اس سے کہا گیا ہو کہ جاؤ! اور یہ گھڑا بھرو، وہ جائے اور گھڑے میں پانی بھر کر حوض ہی پر چھوڑ کر چلا آئے، اور اگر کہے کہ آپ نے اسے لانے کے لیے نہیں کہا تھا، یا کوئی اپنے وکیل سے کہے کہ جاؤ یہ سامان فروخت کردو، وہ جائے اور صرف ایک درہم میں اسے بیچ دے جبکہ اس سامان کی قیمت سو درہم ہو۔ جو شخص ظاہریت پسند ہوگا وہ لامحالہ اس بیع کو صحیح قرار دے گا اور مؤکل کو اس کا پابند بنائے گا اور اگر معانی اور مقاصد کا اعتبار کرے گا تو تناقض کا شکار ہو جائے گا کیونکہ اس نے انھیں غیر محل میں عمل کرکے کالعدم بنا دیا ہے''۔

ایک اور مقام پر فرقہ ظاہریہ کی غلطیوں کو گناتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الخطأ الثانی: تقصیرهم فی فهم النصوص. فکم من حکم دل علیه النص، ولم یفهموا دلالته علیه، وسبب هذا الخطأ حصرهم الدلالة فی مجرد ظاهر اللفظ، دون إیمائه، وتنبیهه، وإشارته، وعرفه عند المخاطبین. فلم یفهموا من قوله: فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ. ضربًا ولا سبا ولا إهانة غیر لفظة "أف"، فقصروا فی فهم الکتاب، کما قصروا فی اعتبار المیزان". (اعلام الموقعین:۲/۱۵۷)

''دوسری غلطی: فہم نصوص میں ان کی کوتاہی ہے، چنانچہ کتنے ہی ایسے احکام ہیں جن پر نص دلالت کرتی ہے، لیکن انھوں نے دلالت نص کو نہیں سمجھا۔ اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے دلالت کو لفظ کے ظاہری معنی پر محصور کر دیا ہے، دلالت ایما، دلالت تنبیہ، دلالت اشارہ اور عرفِ عام کا بالکل اعتبار ہی نہیں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اللہ تعالی کے فرمان: فَلَا تَقُل لَّهُمَا أف. سے ''اف'' کہنے کی ممانعت کو سمجھا۔ مارنا، گالی دینا اور اہانت کرنے کی حرمت کو آیت کریمہ سے نہیں سمجھا، اس طرح انھوں نے قرآن فہمی میں کوتاہی کی جیسے میزان کا اعتبار کرنے میں کوتاہی سے کام لیا''۔

(میزان سے مراد ہے شرعی مسائل میں قیاس، تشبیہ، علت، حکمت اور مصلحت کا اعتبار کرنا جن کا اہل ظاہر انکار کرتے ہیں۔ دیکھیے: اعلام الموقعین:۲/۱۵۵)

امام شاطبی (م۷۹۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اتباع ظواهر القرآن علی غیر تدبر، ولا نظر فی مقاصده ومعاقده، والقطع بالحکم به بادئ الرأی والنظر الأول، وهو الذی نبه علیه قوله فی الحدیث: "یقرأون القرآن لا یجاوز حناجرهم"، ومعلوم أن هذا الرأی یصد عن اتباع الحق المحض، ویضاد المشی علی الصراط المستقیم، ومن هنا ذم بعض العلماء رأی داود الظاهری، وقال: إنها بدعة ظهرت بعد المائتین". (الموافقات:۵/۱۴۹)

''قرآن کے مقاصد و معانی پر غور وفکر کیے بغیر ظاہر قرآن کی اتباع کرنا اور قرآن پر ابتدائی نظر سے کوئی قطعی

فیصلہ صادر کر دینا قابلِ مذمت عمل ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول کے ذریعہ تنبیہ فرمائی ہے: "یقرأون القرآن لا یجاوز حناجرهم" (صحیح البخاری: ۴/۱۳۴ رقم ۳۳۴۴، صحیح مسلم: ۲/۷۴۰ رقم ۱۰۶۳) یعنی وہ قرآن تو پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، بلاشبہ یہ سوچ خالص حق کی اتباع کے لیے رکاوٹ اور صراط مستقیم پر چلنے سے مانع ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض علما نے داود ظاہری کی رائے کی مذمت کی اور کہا کہ یہ بدعت ہے جو دوسری صدی ہجری کے بعد ظاہر ہوئی ہے''۔

آیت کریمہ: ''وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ''. کی تفسیر میں مراغی (م ۱۳۷۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وفی الآية إيماء إلى أن حصيف الرأی يجب أن يطلب فقه القول دون الأخذ بالجمل والظواهر، إذ من قنع بذلك بقی فی عماية، ويظل طول دهره غرا جاهلاً بما يحيط به من نظم هذا العالم". (تفسیر المراغی: ۵/۹۶)

''آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عقل مند پر واجب ہے کہ کسی کلام کے ظاہری معانی کو چھوڑ کر اس کے اندر کے فقہ کو تلاش کرے، کیونکہ جو ظاہریت پر قانع ہو گیا وہ ہمیشہ دھوکے اور اندھیرے میں ہی رہے گا اور نظام عالم سے نابلد رہے گا''۔

۱۱- حدیث فہمی کے اصول وضوابط سے اعراض:

فہم حدیث میں غلطی کا ایک اہم سبب ان اصول و ضوابط سے اعراض کرنا ہے جنھیں نصوص شرعیہ کو سمجھنے کے لیے علما نے وضع کیا ہے، جن کی مدد سے متلاشی حق کے لیے اسلامی روح کو پہچاننا اور حقائق تک رسائی حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے، علم میں پختگی آتی ہے اور جو صحت فہم اور صحت استدلال کے ضامن ہیں اور گمراہی اور نص میں کج فہمی سے بچاتے ہیں۔ اس کتاب میں انہیں اصول وضوابط کو ذکر کیا گیا ہے۔

☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدمت خلق

ابو صالح دل محمد سلفی

اسلام اور خدمت خلق:

قدرتی طور پر ہر انسان کی فطرت میں خدمت خلق کا جذبہ موجود ہوتا ہے، اسی فطری جذبہ کا نتیجہ ہے کہ والدین اپنے بچوں کی نشو ونما اور تعلیم وتربیت میں، صالح اولاد اپنے والدین کی اطاعت وفرمانبرداری میں، اور نیک زوجین ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں استطاعت بھر مالی و جسمانی ہر طرح کی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

اسلام چوں کہ دین فطرت ہے اس لئے دین اسلام میں خدمت خلق کے تئیں انسان کے اس فطری جذبہ کو اہمیت دی گئی ہے اور خدمت خلق کو نہ صرف یہ کہ مشروع وجائز قرار دیا گیا ہے بلکہ اسے عبادت قرار دیا گیا ہے، جو کہ تخلیق انسانی کا مقصد ہے۔

چنانچہ زکوٰۃ وصدقات، قسم وظہار اور قتل خطا کا کفارہ، روزہ وحج وغیرہ میں فدیہ، والدین واولاد اور زوجین کے باہمی حقوق، حاکموں ومحکوموں اور ہمسایوں کے حقوق، بڑوں کی توقیر وتعظیم اور چھوٹوں پر شفقت ومہربانی وغیرہ دین اسلام کے احکام ومسائل، فرائض وواجبات، سنن ونوافل وغیرہ جملہ عبادات میں کسی نا کسی ناحیہ سے خدمت خلق پائی جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خدمت خلق:

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیائے انسانیت کے لئے، خصوصاً امت مسلمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک احسان عظیم تھے، اللہ تعالی نے ان کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رحمت مجسم بن کر آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ خدمت خلق اور انسانیت کی فلاح وبہبودی کے لئے وقف تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ جن اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ سے متصف ومزین تھی، ان میں ایک نمایاں وممتاز صفت یہ تھی کہ آپ ﷺ تمام انسانوں کے بہی خواہ اور خیر خواہ تھے، قرآن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بہت بڑی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ پر ہر وہ چیز گراں گذرتی تھی جو بنی نوع انسان کے لئے دنیاوی واخروی اعتبار سے نقصان دہ اور ضرر رساں ہوتی اور وہ ہر اس چیز کے خواہش مند تھے جو دنیاوی واخروی اعتبار سے انسانوں کے لئے مفید وسودمند ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ** " تحقیق کہ تم لوگوں کے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، تمہارا نقصان میں پڑنا ان پر شاق وگراں گذرتا ہے، اور تمہاری فلاح وبہبودی کے وہ حریص اور خواہش مند ہیں، مومنوں

کے لئے وہ بڑے شفیق ومہربان ہیں۔(التوبۃ: ۱۲۸)

نبوت سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خلق:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ نبوت و رسالت سے پہلے بھی حکمت ودانائی، فہم وفراست اور اصابت رائے وپختگیٔ فکر جیسے عمدہ اوصاف وکمالات سے متصف تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق و امین جیسے اوصاف حمیدہ سے معروف ومشہور اور مقبول تھے۔ شفقت ونرم دلی، ایثار وہمدری، تعاون ودست گیری آپ کی فطرت وطبیعت کا حصہ تھی۔ چنانچہ آپ باشندگان مکہ کے یہاں توجہ کا مرکز تھے، ان کی آپسی اختلاف کا ازالہ فرماتے، ظالم کوظلم سے روکتے اور مظلوموں کوحق دلاتے اور خدمت خلق کرتے تھے۔ علامہ نورالدین الحلبی اپنی کتاب ''السیرۃ النبویۃ'' میں رقمطراز ہیں:''اہل مکہ آپسی اختلاف کے وقت آپ کے پاس فیصلہ کے لیے آتے اور آپ کی تعریف وتوصیف میں کہتے:"إنـه كـان لا يداري ولا يـماري" وہ ناانصافی نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی جھگڑے کو طول دیتے ہیں۔(السیرۃ الحلبیہ :۱۵۹)

چنانچہ اہل مکہ نے جب جب خدمت خلق ورفاہ عامہ اور خیر وبھلائی کا کام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اس کارخیر میں شریک ہوئے، اوراپنا بھرپور تعاون پیش کیا۔ ذیل میں بطورنمونہ چندواقعات ذکر کئے جارہے ہیں:

(۱) حلف الفضول میں آپ کی شرکت:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پندرہ سال تھی تو ذی قعدہ کے مہینہ میں قریش کے چند قبائل (بنی ہاشم ، بنی مطلب، بنی اسد بن عبدالعزی، بنی زہرہ بن کلاب اور بنی تیم بن مرہ کے لوگ) عبداللہ بن جدعان تیمی کے مکان پر جمع ہوئے اور آپس میں عہد و پیان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا، وہ اس کی حمایت ومدد کریں گے اوراس کا حق دلواکر رہیں گے۔ مظلوم کاتعلق خواہ مکہ سے ہو یا مکہ کے باہر سے۔ اس اجتماع میں رسول اللہ بھی تشریف فرماتھے اور بعد میں شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "میں اپنے چچاؤں کے ساتھ عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر دور اسلام میں اس عہد و پیان کے لیے مجھے بلایا جاتا تو میں ضرور لبیک کہتا۔(سیرت ابن ہشام ۱/۱۳۳)۔

اس معاہدہ (حلف الفضول) کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ زبید کا ایک آدمی سامان لے کر مکہ آیا اور عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا۔لیکن اس کا حق روک لیا۔ اس نے حلیف قبائل (عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی) سے مدد کی درخواست کی۔لیکن کسی نے توجہ نہ دی۔اس کے بعداس نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر بلندآواز سے چنداشعار پڑھا۔جن میں اپنی داستان مظلومیت بیان کی تھی۔ اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی اور کہا کہ یہ شخص بے یارومددگار کیوں ہے؟ ان کی کوشش سے اوپر ذکر کئے ہوئے قبائل جمع ہوگئے۔ پہلے معاہدہ طے کیا اور پھر عاص بن وائل سے اس زبیدی کا حق دلایا۔(مختصر السیرۃ: ۳۰)۔

(۲) سیلاب کی زد میں آنے کی وجہ سے خانۂ کعبہ کی دیواریں ٹوٹ گئیں تھیں، اہل مکہ نے جب ازسرنو اس کی تعمیر کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تعمیر میں

حصہ لیا،لوگوں کے ساتھ پتھر ڈھوڈھو کر لائے اور حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کے معاملہ میں قریش کے درمیان اختلاف ہوا، اور شدت اختلاف کی وجہ سے قریب تھا کہ ان کی تلواریں بے نیام ہوجاتیں اور حرم الٰہی کی حرمت پامال کردی جاتی،لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم وفراست اور حکمت عملی سے یہ قضیہ فرو ہوا، جو انسانی تاریخ میں خدمت خلق کا ایک عظیم اور روشن باب ہے۔

الغرض نبوت سے پہلے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ خیر و بھلائی، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک وصلہ رحمی، مظلوموں کے ساتھ عدل وانصاف اور دادرسی، محتاجوں اور تہی دستوں کی حاجت روائی اور مہمانوں کی مہمان نوازی وغیرہ کارہائے نمایاں کے ذریعہ خدمت خلق کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ چنانچہ غار حراء میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نزول ہوا تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام پر شدید خوف لاحق ہوا،حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اپنی جان کی ہلاکت کا خدشہ ظاہر فرمایا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:"كَلَّا وَاللَّهِ، مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ" ہرگز نہیں (آپ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا، اس لئے کہ) اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی گزند پہونچنے نہیں دے گا۔ کیوں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، اور راہ حق میں آنے والی باتوں میں مدد کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری:۲)

نبوت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خلق:

بلاشبہ بنی نوع انسان کو زیور علم سے آراستہ کرنا، کفریہ عقائد وشرکیہ اعمال اور اخلاق رذیلہ وعادات قبیحہ سے پاک کرنا اور اخلاق حسنہ واوصاف حمیدہ سے مزین کرنا حقیقی معنوں میں خدمت خلق ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو اہم اغراض اور بنیادی مقاصد بیان کیا ہے، ان میں خدمت خلق کے مذکورہ کارنامے شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:" لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ" مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ ان ہی (یعنی بشر اور انسانوں) میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (آل عمران:۱۶۴)

بعثت رسول کے ان عظیم الشان اغراض ومقاصد کے حصول وتکمیل کے لیے سیدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان رسول کی دعا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" اے ہمارے

پروردگار ! ان میں انہیں لوگوں میں سے رسول بھیج، جوان کے پاس تیری آیتیں سنائے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اورانہیں کفر وشرک کی رذالتوں سے پاک کرے، یقیناً تو بڑا ہی غلبے والا اور حکمت والا ہے۔(البقرۃ:۱۲۹)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے تیئیس سالہ مدت میں لوگوں کو توحید کی تعلیم دی، کفر وشرک اور ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو ایمان و ہدایت سے مزین کیا، اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں بنی نوع انسان کو شرعی احکام سے روشناس کرایا، اور مظلومیت کے شکار کمزور اور نچلے طبقہ کے لوگوں کو ان کا حق دلایا۔ باریک بینی سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ پوری انسانی تاریخ میں خدمت خلق کا یہ سنہرا اور تابناک باب ہے۔

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ نبوت کی زندگی خدمت خلق سے عبارت تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیواؤں اور یتیموں کی کفالت، مہمانوں کی ضیافت اور مریضوں کی عیادت وغیرہ مختلف شکلوں میں خدمت خلق کی ہے۔

بیواؤں کی خدمت:

انسانی سماج ومعاشرہ کا ایک انتہائی کمزور اور بے یار و مددگار طبقہ بیواؤں کا ہے، اسلام کی آمد سے قبل اس طبقہ کی مظلومیت ومقہوریت اور حقوق سے محرومیت انسانی تاریخ کا دردناک سیاہ باب ہے۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیواؤں کے اس بے یار و مددگار اور بے سہارا طبقہ کو سہارا دیا، اور باضابطہ اپنے قول وعمل سے حقوق عطا کر کے معاشرہ میں مقام ومرتبہ اور عزت ووقار بخشا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"السَّاعِي عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوِ القَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ" بیواؤں اور مسکینوں (کی خیر و بھلائی) کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ نیز اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔(صحیح البخاری: ۵۳۵۳)۔

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ الذِّكْرَ، وَيُقِلُّ اللَّغْوَ، وَيُطِيلُ الصَّلَاةَ، وَيُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ، وَلَا يَأْنَفُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَ الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ فَيَقْضِيَ لَهُ الْحَاجَةَ" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذکر واذکار بکثرت کرتے تھے، لایعنی وفضول باتوں سے احتراز کرتے تھے، طویل نماز پڑھتے تھے اور خطبہ مختصر دیتے تھے اور بیواؤں ومسکینوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ چلنے پھرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔(النسائی:(۱۴۱۴)

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "قدمت عير المدينة فاشْتَرَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا، فَرَبِحَ أَوَاقِيَّ، فَقَسَمَهَا فِي أَرَامِلِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ" ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں کچھ اونٹ(فروخت کے لئے) آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کوئی اونٹ خریدا، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند اوقیہ چاندی کا فائدہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فائدہ بنو عبدالمطلب کی بیوہ عورتوں پر تقسیم فرمادیا۔(مسند أحمد:(۲۰۹۳)

بیوہ خواتین کی کفالت وتعاون کرنے اور معاشرہ میں ان کو عزت واحترام عطا کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ یہ بھی رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیواؤں سے شادی کی اور نان ونفقہ اپنے ذمہ لے کر عدل وانصاف کے ساتھ ان کی کفالت کی۔ چنانچہ گیارہ ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب بیوہ تھیں۔اس طریقہ سے بیواؤں کی کفالت وتعاون کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ دنیائے انسانیت کو خدمت خلق کا عظیم الشان پیغام اور تاریخی درس دیا۔

یتیموں کی کفالت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیموں (جو اپنے باپ کے سایہء عاطفت سے محروم ہوتے ہیں) کے ساتھ شفقت ومحبت، حسن سلوک واپنائیت اور کفالت کی تاکید وترغیب اپنے قول وعمل سے دی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"أنا وَكافلُ اليتيمِ في الجنَّةِ هكذا ، وأشارَ بالسَّبَّابةَ والوسطى" میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کیا۔(صحیح بخاری:۵۳۰۴)

قاضی ابو الحسن الماوردی نے ''اعلام النبوۃ'' میں یتیموں کے ساتھ ناانصافی کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے: ابو جہل ایک یتیم کا وصی تھا۔وہ بچہ ایک دن اس کے پاس ایسی حالت میں آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے اور اس نے ابوجہل سے التجا کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اسے کچھ دیدے لیکن اس ظالم نے اس یتیم کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور آخرکار وہ کھڑے کھڑے مایوس ہوکر واپس ہوگیا۔قریش کے سرداروں نے اس یتیم سے از راہ شرارت کہا کہ محمد کے پاس جاکر شکایت کر، وہ ابوجہل سے سفارش کرکے تجھے تیرا مال دلا دیں گے۔ بچہ بے چارہ نا واقف تھا کہ ابوجہل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا تعلق ہے اور یہ شریر لوگ اسے کس مقصد کے پیش نظر یہ مشورہ دے رہے ہیں؟؟؟۔ وہ سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور اپنا معاملہ آپ کو کہہ سنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فورا اٹھ کھڑے ہوئے اور بچہ کو ساتھ لے کر اپنے جانی دشمن ابو جہل کے ہاں تشریف لے گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس نے آپ کا استقبال کیا اور جب آپ نے اس سے کہا کہ اس بچے کا حق اسے دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور یتیم کا مال لاکر اسے دے دیا۔قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا ہنگامہ پیش آتا ہے، وہ کسی مزے دار جھڑپ کی امید کررہے تھے۔لیکن جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہوکر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم نے بھی اپنا دین چھوڑ دیا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! نہیں، میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا، بلکہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے، اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف ورزی کی تو وہ میرے اندر گھس جائے گا؟(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کس کے ساتھ کیسا؟:۲۲)

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ (جو کہ یتیم تھے) سے مروی ہے وہ بیان فرماتے ہیں:"لو رأيتني وقثم وعبيد الله ابني عباس، ونحن صبيان نلعب،

إذ مر النبي صلى الله عليه وسلم على دابة، فقال: "ارفعوا هذا إلي" قال: فحملني أمامه، وقال لقثم: ارفعوا هذا إلى فجعله وراءه، وكان عبيد الله أحب إلى عباس من قثم، فما استحى من عمه أن حمل قثم وتركه، قال: ثم مسح على رأسي ثلاثا، وقال كلما مسح: "اللهم اخلف جعفرا في ولده" دیکھو! میں، قثم اورعبیداللہ بن عباس کم عمر اور چھوٹے بچے تھے، ہم سب کھیل رہے تھے کہ ہمارے پاس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سواری پرسوار ہوکر گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: ’’اسے اٹھا کر مجھے دو‘‘ پھر مجھے اپنے آگے بیٹھالیا اور قثم کے متعلق فرمایا: ’’اسے بھی اٹھا کر مجھے دو‘‘ اور اس کو اپنے پیچھے بٹھالیا، حالانکہ عبیداللہ حضرت عباس کو قثم سے زیادہ عزیز ودلارا تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس کے جذبات کا بھی لحاظ نہیں کیا (کہ قثم کو تو اٹھالیا اور عبیداللہ کو چھوڑ دیا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور ہر مرتبہ یہ دعا فرمائی: ’’اللَّهُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِي أَهْلِهِ‘‘۔‘‘ اے اللہ! جعفر کے بچوں کا تو والی ونگہبان بن جا۔ (مسند احمد: ۱۷۶۰)

غلاموں اور خادموں کے ساتھ شفقت:

اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں سماج ومعاشرہ کے اندر غلاموں اور خادموں کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عزت اور مقام ومرتبہ عطا کیا، ان کے حقوق بیان کئے اور ان کے ساتھ شفقت ومحبت، نرمی وخیر خواہی اور حسن سلوک کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام کو کھانا اور کپڑا دو اور اتنا ہی کام لو جتنی اس کی طاقت واستطاعت ہو۔ (صحیح مسلم: ۴۳۱۶)

حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي بِالسَّوْطِ، فَسَمِعْتُ صَوْتًا مِنْ خَلْفِي: "اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ" فَلَمْ أَفْهَمِ الصَّوْتَ مِنَ الْغَضَبِ. قَالَ: فَلَمَّا دَنَا مِنِّي إِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ يَقُولُ: "اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ، اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ". قَالَ: فَأَلْقَيْتُ السَّوْطَ مِنْ يَدِي، فَقَالَ: "اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ أَنَّ اللَّهَ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَى هَذَا الْغُلَامِ". قَالَ: فَقُلْتُ: لَا أَضْرِبُ مَمْلُوكًا بَعْدَهُ أَبَدًا ۔ میں اپنے غلام کو کوڑا سے ماررہا تھا، پیچھے سے میں نے ایک آواز سنی: اے ابومسعود اچھی طرح سے جان لو! چوں کہ میں غصے میں تھا اس لئے کچھ نہیں سمجھ پایا۔ جب وہ آواز میرے قریب پہنچی تو میں نے دیکھا کہ وہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں: اے ابومسعود اچھی طرح سے جان لو! میں نے اپنا کوڑا ہاتھ سے پھینک دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابومسعود! اچھی طرح سے جان لو کہ اللہ تعالی تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی تم اس غلام پر رکھتے ہو۔ میں نے کہا: اب میں کبھی بھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا (صحیح مسلم: ۱۶۵۹)

اور ایک دوسری روایت میں ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي،

فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا : "اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ، لَلَّهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ "۔ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللَّهِ. فَقَالَ : "أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ "، أَوْ "لَمَسَّتْكَ النَّارُ" میں اپنے غلام کو مار رہا تھا، اتنے میں میں نے پیچھے سے ایک آواز سنی اے ابو مسعود ! بیشک اللہ تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی تم اس غلام پر رکھتے ہو میں نے مڑ کر دیکھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ! وہ آج سے اللہ کے لئے آزاد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تجھے جلا دیتی یا تجھ سے لگ جاتی۔ (صحیح مسلم:۴۳۰۸)۔

مہمانوں کی ضیافت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے مہمان نواز تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمانوں کی ضیافت کی تاکید وترغیب اپنے قول وعمل سے کی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "مَن كانَ يُؤْمِنُ باللَّهِ واليَومِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ" جس شخص کا ایمان اللہ اور قیامت کے دن پر ہے۔ وہ مہمان کی (مہمان نوازی کے ذریعہ) تعظیم و تکریم کرے۔ (صحیح بخاری:6018)

ایک مرتبہ ایک کافر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہمان بن کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کے لئے ایک بکری کا دودھ دوہا گیا، کافر مہمان نے اس کا دودھ پی لیا، پھر دوسری بکری کا دودھ دوہا گیا، کافر مہمان نے اس کا دودھ بھی پی لیا، پھر تیسری بکری کا دودھ دوہا گیا، اس نے اس کا دودھ بھی پی گیا۔ اسی طرح وہ یکے بعد دیگرے سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ صبح ہوئی تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، اس نے اس بکری کا دودھ پیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دوسری بکری دوہی گئی لیکن وہ اس دوسری بکری کا دودھ پورا نہیں پی سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ" مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

مریضوں کی عیادت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مریضوں کی عیادت وبیمار پرسی اور دلاسہ ودل جوئی کی تعلیم وتربیت اور تاکید و ترغیب اپنے قول وعمل سے دی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "عودوا المريض" مریض کی عیادت کرو۔ (صحیح البخاری:۳۰۴۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشادفرماتے ہوئے سنا: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، حَتَّى يُمْسِيَ، وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، حَتَّى يُصْبِحَ، وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ" جومسلمان کسی مریض مسلمان کی صبح عیادت کرتا ہے، شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں اور جو کسی مریض کی شام کو عیادت کرتا ہے، صبح تک اس کے لیے ستر ہزار فرشتے نزول

رحمت کی دعا کرتے ہیں (سنن ترمذی:۹۶۹)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک انصاری کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا: "يا خال، قل: لا إله إلا الله" فقال: أو خال أنا أو عم؟ فقال النبى صلى الله عليه وسلم: "لا بل خال"، فقال له: قل: لا إله إلا هو، قال : خير لى ؟ قال: "نعم"

ماموں جان! لا الہ الا اللہ کہئے! انہوں نے کہا: ماموں یا چچا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ میں ماموں کہہ رہا ہوں۔انہوں نے پوچھا: کیا لا الہ الا اللہ کہنا میرے حق میں بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہاں'' (مسند احمد:۱۲۵۴۳)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "كَانَ غُلامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النبيَّ ﷺ، فَمَرِضَ، فأتاهُ النبيُّ ﷺ يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَقالَ له: أَسْلِمْ، فَنَظَرَ إلى أَبِيهِ وهو عِنْدَهُ فَقالَ له: أَطِعْ أَبا القاسِمِ ﷺ، فأسْلَمَ، فَخَرَجَ النبيُّ ﷺ وهو يقولُ: الحَمْدُ لِلَّهِ الذي أَنْقَذَهُ مِنَ النّارِ" ایک یہودی لڑکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار پڑ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا اسلام قبول کر لو۔ اس نے اپنے باپ کو دیکھا جو اس کے پاس موجود تھا، اس نے کہا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لو، چنانچہ اس یہودی لڑکے نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لے گئے، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اس لڑکے کو جہنم کی آگ سے بچا لیا۔ (صحیح بخاری:۱۳۵٦)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد قبا و مسجد نبوی کی تعمیر کرنا، انصار و مہاجرین کے مابین مواخات و بھائی چارہ قائم کرنا اور اصحاب صفہ کے لئے خورد و نوش اور تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا وغیرہ سب کے سب حقیقی معنوں میں خدمت خلق ہے۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ناحیہ سے خدمت خلق کی ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خدمت خلق کی جامع اور پاکیزہ تعلیمات دی ہیں۔

چنانچہ تعلیمات نبویہ میں زوجین اور والدین و اولاد کے حقوق، پڑوسیوں و ہمسایوں کے حقوق، ذمیوں اور غیر مسلموں کے حقوق، اسی طرح قیدیوں اور مخالفین کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل و انصاف اور حسن سلوک نیز بڑوں کی توقیر و تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت و محبت وغیرہ در حقیقت خدمت خلق کے وہ درخشاں پہلو اور عظیم الشان کارنامے ہیں۔ جو کہ بے مثال اور قابل عمل ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں خدمت خلق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

ایک رافضی سے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا مناظرہ

عبدالعلیم بن عبدالحفیظ سلفی

امام جعفر الصادق بن محمد بن علی زین العابدین بن حسین بن علی رحمهم اللہ ورضی عنهم معروف ائمہ اسلام میں سے ایک ہیں علم ،حلم، تدین ، تزکیہ اورتقوی و پرہیزگاری میں ممتاز تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی آل واولاد اورنسل میں ہونی چاہئے۔قول وفعل ہر اعتبار سے صدق وصفا میں ممتاز تھے اسی وجہ سے ان کا لقب الصادق پڑ گیا،اور دنیا انہیں جعفر الصادق کے نام سے جاننے لگی۔

ان کی والدہ اور نانی دونوں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آل میں سے تھیں گویا دادیہالی رشتے سے علی بن ابی طالب اور نانیہالی رشتے سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم کی آل سے ہیں ۔ مدینہ منورہ میں ان کی ولادت سنہ 80 ہجری اور وفات سنہ 148 ہجری میں 68 سال کی عمر میں ہوئی۔

امام جعفر صادق رحمہ اللہ علم وتدین کے امتیاز کے ساتھ حاضر جوابی میں بھی معروف تھے،آپ کی حاضر جوابی کے بہت سارے واقعات آپ سے متعلق کتب میں مذکور ہیں انہیں میں سے ایک زیر نظر مناظرہ ہے جو ایک رافضی کے سوالات کے جواب میں واقع ہوا ہے،اس مناظرہ سے جہاں آپ کی حاضر جوابی اور علم وتقوی کا پتا چلتا ہے وہیں خلفاء راشدین خصوصا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم سے آپ کی محبت ، ان کی تکریم اور ان کے سلسلے میں خیر وبھلائی اور ان کے مقام ومرتبہ کے اعتراف کا پتا چلتا ہے۔ نیز اس کے اندر شیخین رضی اللہ عنہما سے متعلق شیعہ کے غلط اور گندے عقائد کا مکمل اور کھلا رد بھی ہے جو شیخین کریمین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں اور اس کی آڑ میں اپنے غلط عقائد کو رواج دینے میں کوشاں رہتے ہیں۔ واضح رہے کہ بلاشک وشبہ علی رضی اللہ عنہ کی فضیلتیں اور مقام ومرتبہ اپنی جگہ مسلم ہے جس پر ایمان اوریقین ہر مسلمان پر واجب ہے، اور یہ بھی مبنی برحقیقت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو ان سے افضل نفوس پر فوقیت نہ دی جائے اور اس سے ان کی فضیلت اور قدر ومقام میں کبھی کوئی نقص نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بیت میں سب سے معروف شخصیتوں میں سے ایک امام جعفر صادق رحمہ اللہ اس معاملے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے اور زیر نظر مناظرہ کے اندر انہوں نے اسی چیز کو نہایت ہی مدلل اور مضبوط انداز میں پیش کیا ہے۔

زیر نظر مناظرہ کی نسبت امام جعفر صادق کی طرف برکلمان نے تاریخ الادب العربی اور دکتور فؤاد سزکین نے تاریخ التراث العربی (3/271) کے اندر کی ہے۔ نیز

دکتور علی عبدالعزیز الشبل کی مکمل تحقیق اور تعلیق کے ساتھ یہ مناظرہ اہل علم کے درمیان متداول ہے، جس میں انہوں نے اس کے نسخوں اور اسناد کا ذکر کیا ہے، دکتور علی الشبل والی تحقیق کا اردو ترجمہ بھی پاکستان سے مطبوع ہے، جواب تک میرے مطالعہ میں نہیں آسکا ہے۔ فجزاهم الله خيرا عن الاسلام والمسلمين۔ وہی شیعوں نے اس مناظرہ کا کلی طور پر انکار کیا ہے اور اسے من گھڑت اور مکذوب ثابت کرنے کیلئے اپنا پورا زور لگایا ہے، حالانکہ اس کی سند میں بعض کلام کے باوجود خود شیعوں کے بیان کردہ اصول وقواعد کے مطابق صحیح اور مقبول ہے۔ واللہ أعلم۔

ذیل میں ہم مناظرہ کو سوال وجواب کی شکل میں پیش کر رہے ہیں تاکہ عام قاری کو سمجھنے میں آسانی ہو:

روافض میں سے ایک آدمی امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے پاس آیا اور سلام کیا جس کا جواب امام صاحب نے دیا پھر اس رافضی نے کچھ سوالات کئے جن کا جواب امام موصوف نے دیا:

(۱) رافضی: اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم) کے بیٹے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر کون تھے؟۔

امام جعفر الصادق: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

(۲) رافضی: اس کی دلیل کیا ہے؟۔

امام جعفر الصادق: اللہ تعالی کا فرمان: (اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا)۔ (اگر تم ان (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے (ان کو شہر مکہ سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس جناب باری نے اپنی طرف سے اس پر تسکین نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں تم نے دیکھا ہی نہیں) (التوبۃ: 40)

ان دونوں سے جن کا تیسرا اللہ ہو افضل کون ہوسکتا ہے؟ اور ابوبکر سے افضل تو صرف نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ہی ہوسکتے ہیں۔

(۳) رافضی: علی بن ابی طالب نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ کے بستر پر بلا کسی خوف وتردد کے رات گزاری تھی۔ (جب ہجرت کی رات کفار نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کیلئے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔)

امام جعفر الصادق: اسی طرح ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بھی بلا کسی خوف وتردد کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے)۔ (ہجرت کے وقت جب دونوں غار ثور میں پناہ گزیں تھے۔)

(۴) رافضی: لیکن اللہ تعالی تو اس کے برخلاف کچھ اور فرما رہا ہے؟ (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ ڈرے اور گھبرائے ہوئے تھے)۔

امام جعفر الصادق: وہ فرمان کیا ہے؟۔

(۵) رافضی: اللہ تعالی فرماتا ہے: (اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا)۔(جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔کیا یہ "حزن "خوف کھانا نہیں ہے؟)۔

امام جعفرالصادق : بالکل نہیں ! کیونکہ حزن (غم کھانا) گھبراہٹ اور ڈر نہیں ہوتا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تو اس بات کا حزن (ملال) تھا کہ مبادا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردیا جائے اور اللہ کے دین سے روگردانی کی جانے لگے، چنانچہ ان کا حزن تو دین سے متعلق تھا اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تھا، خود سے متعلق نہیں تھا جبکہ اسی وقت تقریبا سونچھوؤں نے انہیں ڈنک مارا ہوا اور ان کی زبان سے حس تک نہ نکلا ہو اور نہ ہلکی سی حرکت ہی کی ہو۔

(۶) رافضی: اللہ تعالی فرماتا ہے: (اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ) ۔(مسلمانو!تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں۔جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع (خشوع وخضوع) کرنے والے ہیں۔ (المائدۃ:55)۔ یہ آیت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب انہوں نے رکوع کی حالت میں اپنی انگوٹھی صدقہ کردیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اسے میرے اور میرے اہل بیت کے بارے میں نازل کیا ہے‘‘۔

(آیت کی شان نزول کے بارے میں رافضی کا دعوی باطل ہے کیونکہ اس کے نزول کا سبب کچھ اور ہے اسی طرح مذکورہ روایت بھی موضوع ومن گھڑت ہے، مفسرین نے اس آیت کی شان نزول کے بارے میں مختلف روایتوں کا ذکر کیا ہے، اور خاص طور سے علامہ ابن تیمیہ نے اس آیت کی شان نزول اور روافض کے استدلال کے رد میں مفصلا مختلف وجوہات کا ذکر کیا ہے ۔دیکھئے: منہاج السنۃ: 2/30--32، 3/404، 7/11-31۔مترجم)۔

امام جعفرالصادق: اس سورت کے اندر اس سے پہلے والی آیت اس سے عظیم ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ)۔ (اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالی بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی)۔(المائدۃ:54)

یہ ارتداد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی تھی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ (کی وفات) کے بعد اہل عرب مرتد ہوگئے تھے اور کفار نہاوند کے مقام پر اکٹھے ہوگئے تھے اور کہنے لگے کہ جس آدمی کی یہ لوگ مدد لیتے تھے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تو اب فوت ہو چکا ہے، یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ان کی نماز کو قبول کیا جائے اور ان کے لئے زکاۃ کو چھوڑ دیا جائے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر ایک عقال (اونٹ کا پاؤں باندھنے کی رسی) بھی وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے دینے سے منع کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا گرچہ میرے خلاف مقابلہ کے لئے اینٹ،

پتھر، کانٹے ، درخت اور جن وانس کی تعداد کے برابر بھی کھڑے ہوں تو میں تنہا ان سے لڑوں گا‘‘۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ آیت کریمہ افضل ہے۔

(۷) رافضی: اللہ تعالی فرماتا ہے(اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً)۔(جولوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں)۔ (البقرۃ:274) یہ آیت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان کے پاس چار دینار تھے جن میں سے ایک رات میں، ایک دن میں، ایک سرا اور ایک علانیہ خرچ کیا تو اس بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(حالانکہ رافضی کا دعویٰ ہے کہ یہ آیت کریمہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں خصوصی طور پر نازل ہوئی باطل ہے، بلکہ مفسرین نے اس کی دوسری شان نزول ذکر کیا ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ اس میں وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں جو اس صفت جمیلہ سے متصف ہیں جن میں علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔مترجم)۔

امام جعفر الصادق: قرآن کریم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس سے افضل آیت موجود ہے، اللہ تعالی قسم کھاتے ہوئے فرماتا ہے:(وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی)۔ (قسم ہے رات کی جب چھا جائے)۔ (اللیل: 1)، (وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی وَمَاخَلَقَ الذَّكَرَوَالْاُنثٰی اِنَّ سَعْیَكُمْ لَشَتّٰی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی)۔(اور قسم ہے دن کی جب روشن ہو اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا یقیناً تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور (اپنے رب سے) ڈرا اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا)۔ (اللیل:6-2) یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ (فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی)۔(تو ہم بھی اس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے)۔(اللیل:7) اس سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔(وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی)۔(اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہوگا)۔(اللیل:17) اس سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔(الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی)۔(جو پاکی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال دیتا ہے)۔(اللیل:18)۔اس میں بھی مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔(وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی)۔(کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو بلکہ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا چاہنے کے لئے)۔(اللیل:20-19) اس سے بھی مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی چالیس ہزار کی دولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کر دیا، یہاں تک کہ اسے چادر میں (اس لئے) چھپایا (کہ ان کی محتاجی اور غربت ظاہر نہ ہو)۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالی بلند و برتر نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو میرا سلام پیش کرو اور اس سے پوچھو کہ تم اپنی اس غربت و محتاجی میں مجھ سے راضی ہو یا ناراض؟ تو انہوں نے کہا: میں اپنے رب سے ناراض ہو سکتا ہوں ؟!(ہرگز نہیں)، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ اور اللہ تعالی نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں خوش کر دے گا۔(یہ روایت سنداً صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابوبکر

ابن المقرء نے معجم / 166، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء : 7/105 اور خطیب بغدادی نے تاریخ: 2/465 کے اندر ذکر کیا ہے، نیز دیکھئے: میزان الاعتدال / 5737۔ واضح رہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اللہ کی راہ میں بے تحاشہ خرچ کرنے کا ذکر صحیح روایتوں میں موجود ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی کے فرمان: (رَضِيَ اللَّهُ عَنهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ) کے اندر ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔مترجم)۔

(۸) رافضی: اللہ تعالی فرماتا ہے:) (اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ)۔(کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلادینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کردیا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہ اللہ کے نزدیک برابر کے نہیں) (التوبۃ:19) یہ آیت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔

امام جعفر الصادق : قرآن کے اندر اسی طرح کی آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، اللہ تعالی فرماتا ہے: (لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى)۔ (تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں، بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے۔ ہاں اللہ تعالی کا بھلائی کا وعدہ تو ان سب سے ہے(۔(الحدید:10)۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے اپنا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کیا، پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے دفاع کیا، پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے جہاد کیا، کفار نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا جس سے آپ خون آلود ہوگئے اور اس کی خبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لگی تو مکہ کی گلیوں میں بھاگتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے آئے کہ: "تمہاری تباہی ہو تم ایک ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہ رہے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، جبکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں اور کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے "اس پر ان لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر مارنے لگے یہاں تک کہ کثرت خون سے ابوبکر کی ناک اور چہرے میں تمیز مشکل تھی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے جہاد کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے پہلے قتال کیا، سب سے پہلے اپنا مال خرچ کیا، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’ابو بکر کے مال جیسا کسی مال نے مجھے نفع نہیں پہنچایا‘‘۔(سنن الترمذی / 3661، سنن ابن ماجہ / 94، علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے)۔

(۹) رافضی: علی رضی اللہ عنہ نے لمحہ بھر کو بھی اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔

امام جعفر صادق: اللہ تعالی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایسی تعریف کی ہے کہ اس کے حضور ہر چیز ہیچ ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: (وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ)۔(اور جو سچے دین کو لائے) اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ، (وَصَدَّقَ بِهٖٓ)۔(اور جس نے اس کی تصدیق

کی((الزمر:33) یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

جب ہر ایک نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہا تو ابوبکر نے آپ کی صداقت کی گواہی دی تو ان ہی کے سلسلے میں خاص طور سے تصدیق والی آیت نازل ہوئی، چنانچہ آپ ایک ساتھ متقی، پاکیزہ، مخلص، پسندیدہ (سب کے محبوب)، انصاف پسند، منصف اور وفادار ہیں۔

(۱۰) رافضی: علی رضی اللہ عنہ سے محبت قرآن مجید کے اندر فرض ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: (قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى)۔(کہہ دیجئے! کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر رشتہ داری کی محبت)۔ (الشوری:23)

امام جعفر صادق: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت بھی اسی طرح فرض ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: (وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ)۔(اور ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے)۔(الحشر:10)

چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے اس لئے ان کے لئے مغفرت کی دعاء واجب ہے، ان سے محبت فرض ہے اور ان سے نفرت کفر ہے۔

(۱۱) رافضی: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الحسنُ والحُسينُ سيِّدَا شبابِ أهلِ الجنَّةِ وأبوهما خيرٌ منهما"۔"حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنتیوں کے جوانوں کے سردار ہیں اور ان کا باپ ان سے بھی افضل ہیں"۔(مستدرک الحاکم / 4779، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: 5/58، امام البانی نے اسے حسن کہا ہے، دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ / 2/428)۔

امام جعفر صادق: اس سے بھی افضل حدیث ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد ہے، میرے والد نے میرے دادا سے روایت کیا ہے، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا میرے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا کہ اچانک ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(يا علي هذان سيدا كهول أهل الجنة وشبابهما. في الظاهرية شبابهم -فيما مضى من سالف الدهر في الأولين وما بقي في غابره من الآخرين، إلا النبيين والمرسلين. لا تخبرهما ياعلي ما داما حيين)۔اے علی! یہ دونوں انبیاء ورسل کے علاوہ جملہ اولین وآخرین میں جنت کے ادھیڑ عمر کے لوگوں کے سردار ہیں، خواہ وہ اگلے ہوں یا پچھلے، لیکن اے علی! جب تک وہ دونوں زندہ رہیں تم انہیں یہ بات مت بتانا "، چنانچہ میں نے اس بات کی خبر کسی کو نہیں کی یہاں تک کہ ان دونوں کی وفات ہوگئی۔(سنن الترمذی / 3665، 3666 سنن ابن ماجہ / 95، 100۔علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

(۱۲) رافضی: فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

افضل ہیں یا عائشہ بنت ابی بکر؟

امام جعفر صادق: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (یٰسٓ. وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ)۔(یٰس قسم ہے قرآن باحکمت کی)۔ (یٰس:2-1)۔(حٰمٓ. وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ)۔ (حٰم قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی)۔ (الدخان: 2-1)۔

(۱۳) (یہ سن کر) رافضی نے کہا: میں نے آپ سے فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ بنت ابی بکر کے بارے میں سوال کیا ہے کہ ان میں افضل کون ہیں، اور آپ قرآن کی تلاوت کررہے ہیں!؟

امام جعفر صادق: عائشہ بنت ابی بکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں اور آپ کے ساتھ جنت میں ہوں گی، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی عورتوں کی سردار ہوں گی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی پر طعن کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سے بغض رکھنے والے کو اللہ تعالی ذلیل وخوار کریگا۔(جیسا کہ سورۃ الاحزاب کی آیت حجاب(53) کے اندر مذکور ہے)۔

(۱۴) رافضی: عائشہ نے تو گرچہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا تھا؟۔

امام جعفر صادق: ہاں! تو برباد ہو، اللہ تعالی فرماتا ہے: (وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ)۔(تمہیں یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ کو تکلیف دو)۔ (الاحزاب:53) (کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی زوجہ کو اذیت دینا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا ہے، امام جعفر صادق نے اس آیت کی عمومیت سے استدلال کیا ہے۔مترجم)۔

(۱۵) رافضی: ابوبکر،عمر،عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کا ذکر قرآن مجید میں ہے؟۔

امام جعفر صادق: ہاں، بلکہ تورات اور انجیل میں بھی ہے،اللہ تعالی فرماتا ہے:(وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ) ۔(اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا)۔(الانعام:165)۔ اسی طرح فرماتا ہے:(اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ) (بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے،کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟ اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے) (النمل:62)۔اور ایک جگہ فرماتا ہے: (لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ) ۔(اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے)۔(النور:55)

(۱۶) رافضی: اے رسول اللہ کے بیٹے اس تورات اور انجیل میں ان کی خلافت کا ذکر کہاں ہے؟۔

امام جعفر صادق: (مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو

لوگ ان کے ساتھ ہیں) یہ ابوبکر ہیں، (اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ)۔(کافروں پر سخت ہیں) یہ عمر بن الخطاب ہیں، (رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ)۔(آپس میں رحمدل ہیں) یہ عثمان غنی ہیں، (تَرٰیھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا)۔(تو انہیں دیکھے گا وہ کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں) یہ علی بن ابی طالب ہیں(سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ)۔(ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے) یہ اَصحاب محمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، (ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰیۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ)۔(ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے)۔

(۱۷)رافضی: تورات اور انجیل میں ہے کا کیا معنی ہے؟

امام جعفر الصادق: محمد رسول اللہ اور آپ کے بعد خلفاء ابوبکر، عمر، عثمان اور علی۔ پھر انہوں نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا کہا: تیری تباہی ہو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ)۔(مثل اسی کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا پھر اسے مضبوط کیا) اَبو بکر (فَاسْتَغْلَظَ)۔(اور وہ موٹا ہوگیا) عمر (فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ)۔(پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا) عثمان بن عفان (یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ)۔(کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑھائے) علی بن اَبی طالب (وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا)۔(ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے) (الفتح:29)۔اَصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہم۔ تیری تباہی ہو! مجھ سے میرے والد نے بیان کیا انہوں نے میرے دادا سے روایت کیا اور انہوں نے علی بن ابی طالب سے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:... میں پہلا شخص ہوں گا جس کیلئے بروز قیامت زمین پھٹے گی اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ مجھے ایسی کرامت وعزت سے نوازیگا جیسی مجھ سے قبل کسی اور نبی کو نہیں نوازہ گیا، پھر فرمائیگا کہ: اپنے بعد کے خلفاء کو پیش کرو۔ میں کہوں گا اے رب! کون سے خلفاء؟ تو کہے گا: عبداللہ بن عثمان ابوبکر الصدیق۔ چنانچہ میرے بعد جس کیلئے زمین کھلیگی وہ ابوبکر ہوں گے اور انہیں اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا پھر ان کا ہلکا پھلکا حساب ہوگا پھر انہیں دو سبز چادریں پہنا کر عرش کے سامنے کھڑا کردیا جائیگا۔ پھر پکارنے والا پکاریگا کہ: عمر بن الخطاب کہاں ہیں؟ تو انہیں اس حال میں لایا جائیگا کہ ان کی نسوں سے خون رس رہا ہوگا، ان سے اس کے بارے میں پوچھا جائیگا کہ: یہ کس نے کیا؟ تو وہ جواب دیں گے: مغیرۃ بن شعبہ کا غلام (ابولؤلؤ فیروز مجوسی)۔ پھر انہیں اللہ کے حضور پیش کیا جائیگا پھر ان کا ہلکا پھلکا حساب ہوگا اور انہیں دو سبز چادریں پہنا کر عرش کے سامنے کھڑا کردیا جائیگا۔ پھر عثمان کو لایا جائیگا ان کی نسوں سے بھی خون رس رہا ہوگا، ان سے اس کے بارے میں پوچھا جائیگا کہ: یہ کس نے کیا؟ تو وہ جواب دیں گے: فلاں بن فلاں نے۔ پھر انہیں اللہ کے حضور پیش کیا جائیگا پھر ان کا

ہلکا پھلکا حساب ہوگا اورانہیں دوسبز چادریں پہنا کرعرش کے سامنے کھڑا کردیا جائیگا۔ پھرعلی بن ابی طالب کو بلایا جائیگا، ان کی نسوں سے بھی خون رس رہا ہوگا، ان سے اس کے بارے میں پوچھا جائیگا کہ: یہ کس نے کیا؟ تو وہ جواب دیں گے: عبدالرحمٰن بن ملجم نے پھر انہیں اللہ کے حضور پیش کیاجائیگا پھر ان کا ہلکا پھلکا حساب ہوگا اور انہیں دوسبز چادریں پہنا کرعرش کے سامنے کھڑا کردیا جائیگا"۔ (کنز العمال: 36701)۔اس کی سند میں علی بن صالح ہیں امام ذہبی کہتے ہیں: "لايعرف وله خبر باطل" لسان المیزان میں ہے کہ: "ابن حبان نے انہیں الثقات میں ذکرکیاہے اورفرماتے ہیں کہ ان سے اہل عراق نے روایت کیاہے یہ مستقیم الحدیث ہیں۔ واضح رہے کہ اس روایت میں قاتلین کے ذکر کے اندرغرابت ہے۔اس روایت کے پہلے فقرہ کوابن ابی شیبہ اورطبرانی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیاہے اسی طرح امام ترمذی نے مناقب عمر میں عبداللہ بن عمر سے روایت کیاہے جس کے اندر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "أنا أول من تنشق عنه الأرض، ثم أبو بكر، ثم عمر" (سنن الترمذی: 3692،علامہ البانی نے اس کی تضعیف کی ہے،ضعیفہ: 2949 ،امام حاکم نے بھی اسے روایت کیاہے جس کی سند میں عبداللہ بن نافع ضعیف ہیں، دیکھئے: المستدرک: 2/505) (صحیح مسلم: 2278 کی روایت میں قبروالا جملہ موجود ہے: "وأَوَّلُ مَن يَنْشَقُّ عنْه القَبْرُ"-مترجم)۔

(۱۸) رافضی: اے اللہ کے رسول کے بیٹے! یہ قرآن مجید میں ہے؟۔

امام جعفرصادق: ہاں اللہ تعالی فرماتا ہے: (وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ)۔(نبیوں اورگواہوں کولایا جائیگا) اُبوبکر وعمر وعثمان وعلی (وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ)۔(اورلوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کردیے جائیں گے اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے)۔ (الزمر/ 69)۔

(۱۹) رافضی: اے اللہ کے رسول کے بیٹے! کیا اللہ تعالی میری توبہ قبول فرمائیگا کیونکہ میں نے ابوبکر وعمراور عثمان وعلی کے درمیان تفریق کیاہے؟۔

امام جعفرصادق: بالکل توبہ کا دروازہ کھلا ہواہے تم ان کے لئے خوب استغفار کیا کرو۔ کیونکہ اگرتم اس حال میں مرتے کہ تم نے ان کی مخالفت کی ہے تو تمہاری موت غیرفطرت اسلام پر ہوتی اور تمہارے اعمال کافروں کے اعمال کی طرح بکھرے ہوئے اور پراگندہ ذروں کی طرح ہوجاتے۔

پھراس آدمی نے توبہ کرکے اپنی باتوں سے رجوع کرلیا۔

☆☆☆

موسم سرما اور غور وفکر کے چند پہلو

محمد محبّ اللہ بن محمد سیف الدین المحمدی

موسموں کی تبدیلی شب وروز کا اختلاف گرمی وسردی کی آمد، مہینوں اور سالوں کی تبدیلی، دھوپ وسائے کا اپنے اپنے وقت پر آنا یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، ربوبیت وقیومیت پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی عظمت وکمال تدبیر نیز عبادت کے صرف اور صرف وہی مستحق ہونے پر دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلِلَّـهِ مُلْكُ السَّمَـوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَـوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَـفِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَـايَـٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَـٰبِ. (آل عمران ۱۸۹-۱۹۰)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

وَفِي الْأَرْضِ ءَايَـٰتٌ لِّلْمُوقِنِينَ . وَفِيٓ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ . وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ. (الذاریات ۲۰-۲۲)

اور یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَـوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰٓ أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ. (الاعراف:۱۸۵)

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ نے پیدا کیں ہیں اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو پھر قرآن کے بعد کون سی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے فرمایا غور کرو اللہ تعالیٰ کے اس حکمت بالغہ پر یعنی گرمی وسردی کے موسم کے بارے میں کہ یکے بعد دیگرے کیسے ایک موسم ختم ہوتا ہے اور دوسرا آتا ہے ، جاندار و چوپائیوں ونباتات کے لئے یہ طریقہ کتنا مفید ہے،، کیسے بالتدریج اور مہلت کے ساتھ ایک دوسرے کی ابتداء وانتہاء ہوتی ہے۔ اگر اچانک موسم سرما آجائے یا اچانک گرمی کا زمانہ شروع ہوجائے تو انسان کا کیا حال ہوگا۔ انسان کے جسم کو بیماری لاحق ہوجائے گی اور نباتات ہلاک وبرباد ہوجائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت اور احسان ورحم وکرم ہے کہ تدریجا ایک دوسرے کو لاتا ہے۔

بحوالہ مفتاح دارالسعادۃ (2/610)

محترم قارئین! موسم کے تغیر اور دن ورات کی آمد کو اللہ سبحانہ وتعالی نے تدریجی نظام کے ساتھ جوڑا ہے اور اس کا وقت متعین کر رکھا ہے، اندازہ کیجئے اگر اچانک رات آ جائے یا گرمی وسردی بغیر اطلاع کے آن پڑے اور پہلے ہی دن سے کڑاکے کی سردی پڑنے لگے یا اول دن سے لو کے تھپیڑوں کا سامنا ہونے لگے تو ظاہر ہے بغیر انتظامات کے انسان کی کیا گت بنے گی؟

موسم کی تبدیلی ہی سے غلوں اور پھلوں کے پکنے، نباتات وجمادات کی نشو ونما متعلق ہے اور بہت سی تجارتیں اور بزنس (Business) صرف موسم کی بنیاد پر چلتی ہیں قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے، لِـإِيلَـٰفِ قُرَيْـشٍ إِلَـٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ. فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَـٰذَا الْبَيْتِ. الَّذِيٓ أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَءَامَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ (قریش ۱-۴) قریش کے مانوس کرنے کے لئے، یعنی انہیں سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے لئے۔ پس انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں۔ جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور ڈر (اور خوف) میں امن وامان دیا۔

موسم کے تغیر کے لحاظ سے اللہ نے اس کے شایان شان لباس اور دیگر انتظامات کئے ہیں یہ سب اللہ کی ایسی بیش قیمت نعمتیں ہیں جو انسان کو خالق و مالک کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور اس کی ہدایت کا سامان بھی کرتی ہیں، اللہ نے اس احسان کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا۔ خَـلَـقَ الْإِنسَـٰنَ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ. وَالْأَنْعَـٰمَ خَـلَـقَهَـا لَـكُـمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَـٰفِعُ وَمِنْهَـا تَأْكُلُونَ. (النحل ۴-۵)

اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا پھر وہ صریح جھگڑالو بن بیٹھا، اسی نے چوپائے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرم لباس ہیں اور بھی بہت سے نفع ہیں اور بعض تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔

وَاللَّـهُ جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّن جُلُودِ الْأَنْعَـٰمِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَآ أَثَـٰثًا وَمَتَـٰعًا إِلَىٰ حِينٍ (النحل:۸۰)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے گھروں میں سکونت کی جگہ بنادی ہے اور اسی نے تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں کے گھر بنادیئے ہیں، جنہیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے کوچ کے دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن بھی، اور ان کی اون اور روؤں اور بالوں سے بھی اس نے بہت سے سامان اور ایک وقت مقررہ تک کے لئے فائدہ کی چیزیں بنائیں۔

وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَٰبِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَٰبِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ (النحل:۸۱)

اور اسی نے تمہارے لئے کرتے بنائے ہیں جو تمہیں گرمی سے بچائیں اور ایسے کرتے بھی جو تمہیں لڑائی کے وقت کام آئیں وہ اس طرح اپنی پوری پوری نعمتیں دے رہا ہے کہ تم حکم بردار بن جاؤ۔

محترم قارئین . زمانے کے تغیرات وچیلنج، رات و دن کا گزرنا جہاں ایک مؤمن ومتقی مسلمان کو فرحت وتازگی

ونشاط عطاء کرتا ہے تو وہیں اس کو اس فکر میں بھی مبتلا کر دیتا ہے کہ زندگی کے ایام کم ہو رہے ہیں موت کی گھڑیاں قریب ہو رہی ہیں گرمی یا سردی کی آمد اس طرف متوجہ کرتی ہے کہ زندگی کا اور ایک سال کم ہوگیا، پچھلے دنوں توشئہ آخرت تو کچھ تیار نہ ہوسکا۔مزید یہ کہ گناہوں کا ایک بھاری بوجھ لدگیا۔

کڑاکے کی سردی جب آتی ہے یا جب لو کے تھپیڑے چلتے ہیں تو جنت وجہنم کی یاد تازہ ہوجاتی ہے،

جیسا کہ حدیث ہے:اشْتَكَتِ النَّارُ إلى رَبِّهَا، فَقالَتْ :يا رَبِّ أكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فأذِنَ لَهَا بنَفَسَيْنِ، نَفَسٍ في الشِّتَاءِ، وَنَفَسٍ في الصَّيْفِ، فَهْوَ أشَدُّ ما تَجِدُونَ مِنَ الحَرِّ، وَأَشَدُّ ما تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ .. أخرجہ البخاری(3260))،ومسلم(617)

جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی کہ اے میرے رب !میرے بعض حصے نے بعض کو کھا لیا ہے،تو اللہ تعالی نے اسے دومرتبہ سانس لینے کی اجازت دی ایک ٹھنڈی میں اور ایک گرمی میں،تم انتہائی گرمی اور سردی جو محسوس کرتے ہو اسی کی وجہ سے ہے۔

جاڑے کے ایام یا موسم سرما مؤمن کیلئے ایک نعمت ہیں ۔ایام شتاء غنیمت کے اوقات ہیں،دن مختصر اور رات لمبی ۔قیام اللیل میں مزہ اور صوم نہار میں کیا ہی لذت ۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف اس موسم سے فائدہ اٹھاتے تھے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "الشتاء غنيمة العالدين"موسم سرما عبادت گزاروں کے لیے بہار کا زمانہ ہے یعنی موسم سرما عبادت گزار بندوں کیلئے بڑے ہی غنیمت کے اوقات ہیں، وہ عبادت کا لطف موسم سرما میں لیتے ہیں یعنی موسم سرما کو غنیمت جانتے ہیں،(بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ(9835)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے"مرحبا بالشتاء تنزل فيه البركة، ويطول فيه الليل للقيام، ويقصر فيه النهار للصوم"(بحوالۃ، لطائف المعارف لإبن رحب(327)

خوش آمدید ٹھنڈک کا زمانہ !اس موسم میں برکتوں کا نزول ہوتا ہے،رات لمبی ہوتی ہے قیام اللیل کے لئے ،اور دن چھوٹا ہوتا ہے روزہ رکھنے کے لئے۔

ابن أبي الدنیا نے المحتضرین میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ ۔ عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ کا جب وفات کا وقت قریب ہوا تو حالت احتضار میں عامر بن عبداللہ رونے لگے کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ میں موت سے ڈر کرنہیں رو رہا ہوں اور نا دنیا چھوڑنے کے فراق میں رو رہا ہوں بلکہ میں رو رہا ہوں کہ گرمی کے موسم میں روزہ رکھنے اور شتاء یعنی جاڑے کے موسم میں قیام اللیل سے محروم ہو رہا ہوں۔(بحوالہ المحتضرين لإبن أبي الدنيا (178

سردی یا گرمی کا موسم ۔ہمیں یاد دلاتی ہیں ۔کہ جب سخت گرمی یا سردی ہوتی ہے تو انسان کو جنت کی آرائش وجہنم کی سختیوں کو،قبر کی تنگی وظلمت کو اور میدان محشر کے دھوپ وپسینہ کو یاد کریں۔

گرمی وسردی کا موسم ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ انسان کی حالت سچویشن ہمیشہ یکساں نہیں رہتی حالات میں اتار

چڑھاؤ،نرم گرم ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ کہ ظالم کو بقاء نہیں جسطرح کہ گرمی کے ایام چاہے کتنا ہی زیادہ ہوں یا ٹھنڈک کی راتیں کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہوں صبح تو نمودار ہوکے رہے گی۔سورج کی شعائیں پوری دنیا کو روشن کردئے گی،اسی طرح ظلم وستم کے ایام،اور تلخیاں کتنے ہی دیرپا کیوں نہ ہوں انحطاط وزوال مقدر ہے،

موسم سرما ہمیں سبق دیتاہیکہ ہم ٹھنڈک سے بچنے کے لیے جسطرح گرم وموٹے لباس جیکیٹ سوئٹر وغیرہ خریدتے ہیں تاکہ ٹھنڈک سے محفوظ رہیں خود بھی اوراپنے رشتے داراوراہل وعیال بھی۔ اسی طرح ہمیں جہنم کا عذاب جوٹھنڈک کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے۔ تو جہنم کی ٹھنڈک سے اپنے آپ اوربچوں کو بچانے کی فکر کریں۔

اسی طرح ہم فقراء غرباء ومساکین ارامل ویتامی کو بھی ٹھنڈک سے محفوظ رکھنے کے لئے مدد کریں۔صدقہ وخیرات کریں اورانھیں بھی راحت پہنچائیں۔

موسم سرما میں ہماری شریعت کی رہنمائی

دین اسلام دین یسر وسماحت ہے،سہل و آسان وپریکٹیکلی اورتطبیقی دین ہے، ہرطرح کی رہنمائی اس دین میں موجود ہے، آیئے ذیل کے سطور میں ہم موسم سرما کے کچھ احکام ومسائل کا ذکر کرتے ہیں۔

۱- اسباغ الوضوء یعنی مکمل طور پر وضوء کرنا۔اور پانی کو مسخن یعنی گرم کرکے استعمال کرنا جائز ہے۔کسی مسلمان کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے نفس کو خطرہ میں ڈالے اور نہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو مشقت وپریشانی میں ڈالے مثلا موسم سرما میں ٹھنڈے پانی سے وضوء کا قصد کرنا زیادہ نیکی وثواب کی نیت سے۔جبکہ سخت ٹھنڈک کا زمانہ ہے،ٹھنڈے پانی کے استعمال سے وہ بیمار پڑسکتا ہے مرض لاحق ہوسکتا ہے۔بلکہ یہ غلو وتعنت ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ گرم پانی ٹھنڈے پانی کے جیسا ہے طاہر ومطہر کا وصف ان میں موجود ہے۔جیسا کہ ابن المنذر نے (الاوسط لابن المنذر 1/250:) میں ذکر کیا ہے۔بلکہ پانی کو گرم کرکے استعمال کرنا زیادہ افضل ہے اسلئے کہ اس سے اسباغ وضوء وتدلیک اعضاء وغیرہ کیلئے آسانی ہے اورکمال طہارت بھی ہے۔

۲- اگر شدید ٹھنڈک ہوتو وضوء وغسل جنابت کے بدلے تیمّم کرنا جائز ہے۔لیکن یادرہے کہ مجرد موسم سرما کی آمد سے ہی تیمّم کرنا جائز نہیں ہے۔جیسا کہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا"وإن خـاف مِـن شـدة البـرد، وأمكنه أن يُسَخِّنَ الماء، أو يستعمله على وجه يـأمـن الـضـرر، مثـل أن يَغْسِل عُضوًا عضوًا، وكـلـمـا غسـل شيـئًا ستره؛ لَزِمَه ذلك .وإن لم يقدر ؛ تيمم وصلى في قول أكثر أهل العلم" (بحوالہ المغنی لابن قدامہ 1/339)

اگر شدت برد (ٹھنڈک) کا خوف ہو اوراس کے لئے ممکن ہو کہ پانی گرم کرسکے،یا یہ کہ ٹھنڈے پانی سے اس طور پر وضوء کرے کہ اسے ضرر لاحق نہ ہو مثلا ایک عضوء کو دھوئے اور اس کو ڈھانپ دئے تو اسے ایسا کرنا ضرور چاہیئے،اگر اسے اس کی طاقت نہ ہوتو تیمّم کرکے نماز پڑھے یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جب سخت ٹھنڈک یا برد شدید ہو

تب تیمّم کرنا جائز ہے۔کیسے جانیں کہ سخت ٹھنڈک ہے؟۔تو برد شدید کی معرفت کیلئے چار قاعدے یا چار صورتیں ہیں نمبر ایک۔اگر پانی کے استعمال سے بدن کو ضرر لاحق ہوتو تیمّم کر سکتے ہیں،نمبر دو۔اگر پانی کے استعمال سے بیماری کے ٹھیک ہونے میں تاخیر ہونے کا خدشہ ہوتب تیمّم کر سکتے ہیں۔نمبر تین۔اگر پانی کے استعمال سے مرض میں مزید اضافہ وخطرناک صورت اختیار کرنے کا خدشہ ہو۔اس صورت میں بھی تیمّم کر سکتے ہیں۔نمبر چار۔اگر پانی کے استعمال سے ایسی مشقت لاحق ہو جو خارج عن العادۃ ہو۔یعنی ایسی مشقت جسکا برداشت کرنا محال ہو۔اگر ان چار صورتوں میں سے کوئی بھی صورت پائی جائے تو تیمّم کیا جا سکتا ہے۔(شیخ عبدالسلام الشویعر حفظہ اللہ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے)

۳- سخت ٹھنڈک کی وجہ سے گھروں میں نماز پڑھنا اور جمع بین الصلاتین کرنا بھی جائز ہے۔یعنی اصل تو یہ ہے کہ نماز باجماعت اور وقت پر پڑھی جائے لیکن انتہائی تیز وتند ہوائیں چل رہی ہوں،یا بارش ہو رہی ہو،باہر نکلنے میں سخت پریشانی ہو،مرض میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہوتو تخلف عن الصلاۃ وجمع بین الصلاتین کیا جا سکتا ہے چاہے دن ہو یا رات۔ دیکھئے تفصیل کیلئے،المغنی لإبن قدامہ 2/378،الشرح الممتع 4/317)

لیکن اس معاملہ میں تساہل برتنا درست نہیں ہے یعنی ٹھنڈک کو عذر کے طور پر استعمال نہ کرنے لگے زیادہ ٹھنڈ نہ ہو پھر بھی جماعت میں حاضری نہیں۔خاص کر وہ لوگ جن کے گھر سے مسجد بالکل قریب ہو اسی طرح یہاں یہ واضح رہے کہ عورتیں جمع بین الصلاتین نہ کریں۔(شیخ عبدالسلام الشویعر)

۴- نماز کے دوران چہرہ وفم کو ڈھانپنا بغیر ضرورت کے مکروہ ہے۔جیسا کہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی شخص حالت نماز میں چہرہ ڈھانپے۔(رواہ أبوداود 548 وابن ماجہ 956،وحسنہ الألبانی)

لیکن یاد رہے کہ اگر پورا چہرہ نہیں ڈھانپا ہے بلکہ بعض حصہ ڈھانپا ہے تو معفو عنہ ہے،اسی طرح اگر ضرورت ہو کسی کو چہرہ ڈھانپنے کی مثلا سخت سردی وٹھنڈک کا احساس ہو،سردی زکام نزلہ وغیرہ ہو تو اس وقت جائز ہے۔

۵- مسح علی الخفین کی رخصت

یعنی موزوں پر مسح کرنا متواتر احادیث سے ثابت ہے بلکہ مسح علی الخفین کے رواۃ کی تعداد 80 سے زیادہ ہے ان میں سے دس ایسے صحابہ ہیں جنکے جنتی ہونے کی خوشخبری دنیا ہی میں دے دی گئی تھی،اہل سنت والجماعت کا اس کے جواز پر اتفاق ہے صرف اہل بدعت،شیعہ وروافض وغیرہ اس کا انکار کرتے ہیں۔آیئے ذیل میں موزوں پر مسح کے چند احکام بیان کرتے ہیں۔

۱- ہر وہ لباس جو قدمین میں پہنا جاتا ہے یا جس کو خف یعنی موزہ کہا جاتا ہے چاہے وہ چمڑے کے ہوں،اون کے ہوں،نائیلن کے ہوں یا سوتی وغیرہ ہوں اس پر مسح جائز ہے بشرطیکہ وہ قدمین کے اکثر حصے ڈھانپے،

۲- موزوں پر مسح کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ نجاست سے پاک ہو اس میں گندگی نہ لگی ہو،اسی طرح وہ محل فرض

یعنی دونوں قدم اور ایڑیوں کو ڈھانپتے یا چھپاتے ہوں، بعض موزے ایسے ہوتے ہیں جن میں ایڑیوں کے دونوں طرف کی ابھری ہوئی ہڈی کھلی رہتی ہے۔ ایسے موزوں پر مسح نہیں کیا جا سکتا۔ موزوں پر مسح کی سب سے اہم شرط یہ ہے کہ وہ بذات خود پاک ہوں اور کامل طہارت کی حالت میں پہنے گئے ہوں۔ یعنی وضو کرنے کے بعد انہیں پہنا گیا ہو۔ جو موزے باوضو حالت میں نہیں پہنے گئے ہیں ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ واضح رہے کہ وضو کے فورا بعد موزہ پہننا ضروری نہیں ہے۔ ضروری یہ ہے کہ وضو ٹوٹنے سے قبل وہ موزہ پہنا گیا ہو۔

۳- مقیم شخص ایک دن اور ایک رات (24 گھنٹے) تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔ اور مسافر تین دن اور تین رات 72) گھنٹے) تک، الا یہ کہ کوئی بیمار ہو اور سخت ٹھنڈک کا احساس ہو اور مشقت میں پڑ جائے تو اس کیلئے کوئی مدت متعین نہیں ہے وہ جبیرہ یعنی پٹی باندھنے کے حکم میں ہوگا۔

۴- مسح کی مدت کا آغاز اول حدث بعد اللبس سے ہوگا۔ یعنی جب موزہ پہننے کے بعد پہلی بار مسح کیا جائے۔ مثلا اگر کسی شخص نے ظہر کی نماز کے لیے وضو کیا اور موزے پہن لیے اور اس کا وضو باقی رہا یہاں تک کہ اس نے اس وضو سے عصر، کی نماز پڑھی اور عصر کے بعد اسے حدث اصغر لاحق ہوا تو اب اس نے وضوء کیا اور مسح کیا تو اس کے مسح کی مدت کا آغاز اب سے شروع ہو رہا ہے۔ یعنی وہ کل عصر تک اس موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ جس وقت موزے پہنے گئے ہیں اس وقت سے مدت کا شمار نہیں ہوگا بلکہ جس وقت پہلی بار ان پر مسح کیا جائے اس وقت سے مدت کا شمار ہوگا

۵- موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی بھیگی ہوئی انگلی دائیں پیر پر اور بائیں ہاتھ کی بھیگی ہوئی انگلی بائیں پر رکھ کر پنڈلی تک ایک بار لے جائے ایک بار ہاتھ پھیرے دو تین بار نہیں کرنا چاہئے۔ اسلئے کہ علماء کے یہاں قاعدہ ہے "لا تعدد فی الممسوحات "یعنی مسح میں تعدد وتکرار نہیں۔ واللہ أعلم

۶- شدت برد کی وجہ سے الیکٹرونک ہیٹر وغیرہ جسمیں آگ کا شعلہ نہ ہو (دفایات کھربائیۃ) کے طرف رخ کر کے نماز پڑھنا درست ہے۔ اور یہ استقبال نار میں داخل نہیں ہے۔

۷- موسم سرما میں اکثر تیز وتند ہوائیں چلتی ہیں لہذا انہیں گالی نہ دیں وہ تو اللہ کے فرمابردار مسخر فوج ہیں۔ جب ہوا چلے تو یہ دعاء پڑھیں۔ اللَّهُمَّ إِنِّى أَسأَلُكَ مِن خَيرِهَا وخَيرِ مَا فِيهَا وخَيرِ مَا أُرسِلَت بِهِ وأعوذُ بِكَ مِن شَرِّهَا وشَرِّ مَا فِيهَا وشَرِّ مَا أُرسِلَت بِهِ

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات کا پابند بنائے اور مکمل اسلام وشریعت پر چلنے کی توفیق دے اور تفقہ فی الدین عطاء فرمائے آمین۔

☆☆☆

استاذالاساتذہ مولانا نیاز احمد فیضی رحمہ اللہ

سمیع اللہ منیرالدین تیمی

ضلع مغربی چمپارن نہ صرف تحریک آزادی ہند کے حوالے سے تاریخی حیثیت کا حامل ہے بلکہ دعوت واصلاح اور تدریس وتعلیم کے حوالے سے بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ علماء چمپارن نے جہاں ایک طرف تحریک آزادی ہند میں سرفروشانہ کردار ادا کیا ہے۔ وہیں دوسری طرف دعوت واصلاح اور تعلیم وتدریس کے میدان میں بھی بے پناہ قربانیاں پیش کی ہیں۔ بالخصوص جھمکا کے مولانا عبد الھادی، مولانا عبد الباری، مولانا عبد الکریم مسلم صاحب دیوان گلشن ہدایت، مولانا ابوالخیر، مولانا ابوسعید، بلیرام پور کے مولانا منظور الحق رحمانی، پورینہ گوسائی کے مولانا نذیر عالم سعیدی اور گوری پور مجہر یا کے مولانا محمد حنیف مدنی رحمھم اللہ نے اسلامی دعوت وتعلیم کے فروغ، سلفی منہج وعقیدہ کی اشاعت، معاشرے کی اصلاح وتعمیر میں جو کارہائے نمایاں انجام دیا ہے وہ تاریخ چمپارن کا ایک روشن وتابناک باب ہے۔ مولانا نیاز احمد فیضی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی سلسلہ دعوت وتعلیم کی ایک سنہری کڑی تھے۔

آپ صاحب دیوان گلشن ہدایت،، کی مردم خیز بستی جھمکا کے ایک معزز علمی گھرانے کے چشم وچراغ، جامعہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن کے فیض یافتہ، قدیم فیضی عالم دین تھے۔ آپ ضلع کے، باشعور، بابصیرت، صاحب فکر ونظر، نیک کردار و نیک سیرت اور باوقار عالم تھے۔ آپ کے والد گرامی مولانا ریاض احمد سعیدی بھی علاقہ کے معروف ومعتبر عالم تھے۔ جنہیں،، مدرسہ منظر العلوم بلیرام پور،، میں بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ احیاءِ سنت وقیام مدارس کی تحریک میں ناشر کتاب وسنت مولانا منظور الحق بلیرام پوری کے ہمرکاب رہنے کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے فراغت کے بعد اپنی دعوتی وتدریسی زندگی کا آغاز،، مدرسہ احمدیہ سلفیہ،، بیرگنیا ضلع سیتامڑھی سے کیا جو اس وقت نہ صرف صوبہ بہار کے چنندہ مدارس سلفیہ میں سے ایک تھا۔ بلکہ وہ شمالی بہار وترائی نیپال کی مرکزی درسگاہ کی حیثیت سے منہج سلف اور مسلک اہلحدیث کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ واضح رہے کہ صوبہ بہار کے تین مدارس کا ماضی بڑا شاندار اور تابناک رہا ہے۔ اور حسن اتفاق کہ تینوں ہی مدارس ہمنام اور مسلک سلف کے ترجمان ہیں اور تینوں ہی کے بانیین اور اساتذہ علوم وفنون کے امام اور جماعت اہلحدیث کی شان مانے جاتے ہیں ان میں،،،،

۱- مدرسہ احمدیہ سلفیہ ملکی محلّہ آرہ، ضلع بھوجپور ہے، جسکی تاسیس 1888ء میں علامہ ابومحمد ابراہیم آروی رحمہ اللہ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ یہ وہ درسگاہ علم نبوت ہے جو

استاذ الاساتذہ علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری، اوران کے شاگرد باکمال علامہ عبدالرحمان مبارکپوری،، صاحب تحفہ الاحوذی،، اور ان کے شاگرد شہیر علامہ عبدالسلام مبارکپوری،،صاحب سیرہ البخاری،، جیسے اساطین علم وفن کی خدمات سے شرفیاب ہے۔

۲- مدرسہ احمدیہ سلفیہ، ضلع دربھنگہ۔ جس کی داغ بیل 1918ء میں امام المناظرین

علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی، صاحب سیرہ النعمان، کے دست میمون سے پڑی۔ اس کی مسند تدریس کو جامع المعقول والمنقول مولانا عاقل رحمانی اور محدث جماعت مولانا رئیس الاحرار ندوی جیسی عبقری شخصیات نے رونق بخشا ہے۔

۳- مدرسہ احمدیہ سلفیہ، ضلع بیرگنیا اس کی بنیاد داعی کبیر مولانا لیاقت حسین امواوی رحمہ اللہ نے 1915ء میں رکھی جو تحریک شہیدین کے ایک متحرک و فعال رکن تھے۔ اس ادارے کو جن اساتذہ علم وفن اور علماء کبار نے اپنی خدمات مخلصہ کے ذریعہ عروج و اعتبار بخشا ان میں ایک نمایاں نام آپ کا بھی ہے۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ بیرگنیا میں آپ کی خدمات کا عرصہ گو ایک ہی سال ہے لیکن وہ کئی سالوں پر بھاری ہے، اس عرصہ میں آپ نے علماء ودعاۃ کی جو کھیپ تیار کی اس کے لئے سالہا سال درکار تھے۔ مولانا خورشید عالم مدنی دوستیاوی نے بھی اسی مدرسہ میں آپ سے اکتساب فیض کیا ہے جو آج صوبائی جمعیت اہلحدیث کے اعلی عہدہ پر فائز ہیں۔ اختتام سال پر آپ وہاں سے مستعفی ہو کر ٹیچر ٹریننگ کے لئے بگہا چلے گئے اور ٹریننگ کا دوسالہ کورس مکمل کرنے کے بعد بھی خدمت دین کو ترجیح دی جبکہ آپ کو ہائی اسکول میں سرکاری ملازمت مل رہی تھی چنانچہ آپ نے اس مہتم بالشان فریضہ کی انجام دہی کے لئے اپنی ابتدائی مادر علمی مدرسہ منظرالعلوم بلیرام پور کو منتخب فرمایا۔

آپ نے یہاں بھی صرف ایک سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا مگر اس یکسالہ مدت تدریس میں جن طلبہ نے آپ سے بھرپور استفادہ کیا ان میں مولانا اصغر علی امام مہدی امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند بھی ہیں۔ آپ کو نحو صرف سے بڑی دلچسپی تھی اسی لئے آپ جب تک درس و تدریس سے منسلک رہے اس فن سے متعلق کوئی نہ کوئی کتاب آپ کے زیر تدریس ضرور رہی۔ آپ عربی فارسی اور اردو تینوں میں یکساں صلاحیت کے مالک تھے لیکن اردو زبان وادب سے دلچسپی کچھ زیادہ رکھتے تھے اسی لئے آپ اردو زبان میں بڑی معیاری شاعری کرتے تھے آپ کی شعری تخلیقات کا مجموعہ علمی حلقوں سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔

آپ نہایت دور اندیش متحرک اور فعال عالم دین تھے۔ سلفی منہج وعقیدہ اور کتاب وسنت کی روشن تعلیمات کو ضلعی سطح پر متعارف کرانے کے لئے آپ نے ضلع میں سلفی اداروں کے قیام کی تحریک چلائی جس کے نتیجہ میں مدرسہ منظرالعلوم پرسہ، یتیم خانہ محمدیہ سلفیہ جھمکا کے علاوہ ضلع میں درجنوں مدارس معرض وجود میں آئے جو ضلع کی بیشتر سلفی بستیوں میں نونہالان قوم وملت کو سرکاری امداد پر قرآن و سنت کی تعلیمات سے آراستہ کر رہے ہیں، لیکن آپ کی علمی صلاحیتوں اور تجربات سے سب سے زیادہ فائدہ جس

ادارے کو پہنچا وہ مدرسہ منظر العلوم پرسہ ہے۔آپ نے اس ادارے کے مادی ومعنوی معیار کو بلند کرنے کے لئے بڑی صعوبتیں اور تلخیاں برداشت کیں۔ آج یہ مدرسہ بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ کی نگرانی میں معیار عالمیت تک کی تعلیمی فرائض انجام دے رہا ہے۔

آپ امور دینیہ وشرعیہ کے بڑے پابند تھے۔شادی ونکاح جیسے نازک مواقع پر جہاں نام نہاد دکاترہ، شیوخ الحدیث اور مکی ومدنی کے قدم پھسلتے ہوئے دیکھے گئے وہاں آپ عمل بالکتاب والسنہ پر بڑی سختی سے کار بند نظر آئے اور شادی سے متعلق وہ تمام رسوم ورواج اور اسراف وتبذیر۔ جن کا مسلم معاشرہ عموما اور سماجی علماء طبقہ خصوصا رسیا بن چکا ہے ان سے بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے دولڑکوں کی شادیاں ’’أعظم النكاح بركة أيسرها مئونة‘‘ کے زریں اصول نبوی پر کیا۔میری آنکھوں نے اس عمر میں پہلے عالم دین کو دیکھا جنہوں نے اس پرآشوب اور پرفتن دور میں جبکہ علماء بھی مادیت کا شکار ہیں اپنے دولڑکوں کی شادیاں بغیر مطالبات اور ہندوانہ رسوم ورواج کے کیا اللہ تعالیٰ آپ کی دعوتی، تدریسی اور رفاہی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آپ کی لغزشوں کو درگزر کرے۔ جنت الفردوس کا مکین بنائے۔آمین

آپ ۶/اکتوبر ۲۰۲۱ء کو اس دار فانی سے آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔

☆☆☆

'فہم حدیث کے بنیادی اصول'

اردو میں اصول حدیث پر ایک معتبر کتاب

ابوتحریر،نئی دہلی

کتاب: فہم حدیث کے بنیادی اصول

مصنف: ڈاکٹرعبدالصبورابوبکر

سن اشاعت: ۲۰۲۳ء

صفحات: ۳۴۴

قیمت: ۴۳۰روپئے

ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ بنارس

''حدیث فہمی کے منضبط اصول پر اردو میں ایک سنجیدہ علمی کتاب''(پیش لفظ:محمد ابوالقاسم فاروقی)

رسول اکرم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں اور حدیث اسلامی شریعت کا بنیادی ماخذ ہے لیکن ایک طبقہ حدیث کی تشریعی حیثیت اور اس کی حجیت کے بارے میں تذبذب کا شکار رہا ہے اور اسی رویے نے اس کو انکار حدیث تک پہنچا دیا جو اسلامی تاریخ کا ایک نامسعود باب ہے۔خوشی کی بات یہ ہے کہ مذکورہ طبقے کے اس غیر علمی رویے کا علما نے بروقت نوٹس لیا اور اس طبقے نے فن حدیث کے اردگرد تشکیک وتذبذب کا جو جالا بننے کی کوشش کی تھی، اس کو صاف کیا۔ان کی مسلسل کوشش نے بہت سارے سوالات کے جوابات دینے کے ساتھ اعتراضات اور اشکالات کو بھی دور کیا جس سے بہتوں کو تسلی اور اطمینان کی دولت بے بہا ملی، لیکن ظلمت پسند طبائع کا اپنا ایک ایجنڈا تھا، سو اسلاف کرام کی جہود مخلصہ ان کے کچھ کام نہ آسکیں۔

یہ اسی کی دین ہے جسے پروردگار دے

ہندوستان بھی اس فتنے سے محفوظ نہیں رہ سکا، برطانوی استعمار کے عہد میں جدید تعلیم اور تہذیب نو کے ''ثمرات وبرکات'' سے مسلمانوں کا ایک طبقہ کچھ ایسا مسحور بلکہ مرعوب ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے دینی سرمایے کو دہلیز فرنگ پر قربان کر دینے ہی کو وجہ افتخار اور کلید کامیابی تصور کر لیا تھا۔اس نے مرعوبانہ ذہنیت سے کتاب وسنت کی ایسی تفسیر،تشریح اور تاویل کی کہ ''خامہ انگشت بدندان اور ناطقہ سربگریباں'' کی کیفیت پیدا ہوگئی۔اس قبیلے میں سرسید احمد خان مرحوم اور ان کے کئی ایک نامور رفقا اور معاصرین کا نام سرفہرست ہے، جن کے یہاں انکار سنت سے لے کر استخفاف سنت کی ایک خطرناک اور زیریں لہر موجود ہے۔ علامہ محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ کے متعدد مقالات میں ایسے ''روشن خیال طبقے'' کے اعتراضات کا تسلی بخش اور علمی جواب دیکھا جا سکتا ہے۔اسلامی دانشورانہ روایت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گروہ نے نوآبادیاتی ہندوستان میں الگ الگ عنوان سے حدیث کا انکار کیا اور آج بھی اس کی نسل (محدود پیمانے پر ہی سہی) ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں مصروف ہے۔دوسرے

گروہ کے یہاں عظمت حدیث کا پاس ہے، اس کی حجیت کا اعتراف ہے اور حدیث کی تعلیم کا اہتمام بھی ہے اور بھی کئی ایسے جھمیلے پائے جاتے ہیں جن سے حدیث کے تئیں ان کے شغف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، لیکن ساری تگ وتاز کے اندرون میں حدیث کو اپنے مسلک کی تائید کے لئے استعمال کرنے کا جذبہ پوشیدہ ہے۔ اگر کسی کو ایسا لگے کہ ہم غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں یا غلط فہمی پیدا کررہے ہیں تو ان سے دست بستہ گزارش ہے کہ مسلک کی حمایت میں احادیث سے چھیڑ چھاڑ کے بارے میں مفتی محمد شفیع دیوبندی اور علامہ انورشاہ کشمیری کے اعترافات کا مطالعہ کر لیں۔

(تفصیل کے لئے دیکھیں: اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات (محمد رئیس ندوی) اور جهود مخلصه في خدمة السنة المطهرة (ڈاکٹر عبدالرحمٰن الفریوائی)

تقلید، تعصب اور تصوف کی تثلیث نے فن حدیث اور محدثین پر جو ظلم ڈھایا ہے اس کی داستان بڑی جاں گسل اور زہرہ گداز ہے۔ اسلامی شریعت کے اس عظیم سرمایے کی نگہبانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جماعت اہل حدیث کو بیدار اور تیار کیا جس نے صنم کدہ ہند میں توحید اخلاص، اصلاح معاشرہ اور رد بدعات کے میدان میں قابل قدر کارنامے انجام دینے کے ساتھ فن حدیث کی تعلیم وترویج کے ساتھ انکارسنت کے فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اللہ کی مدد سے اس میں کامیاب بھی ہوئے، جس کا اعتراف اپنوں کے ساتھ اغیار نے بھی کیا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر جو لٹریچر تیار کیا وہ آج بھی منارہ نور اور شعلہ ہدایت ہے۔ آزادی کے بعد بھی اس جماعت کے علما نے بدلتے ماحول اور منظر نامے میں حدیث کی تعلیم اور نشرواشاعت کا کام جاری رکھا اور اس باب میں جامعہ سلفیہ بنارس اور فضلائے جامعہ کی خدمات غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف بھی اسی ادارے سے تعلق رکھتے ہیں جس کے بارے میں کبھی فضا ابن فیضی نے کہا تھا:

سراغ جادۂ عمل حدیث مصطفیٰ ہمیں
اسی کا حرف حرف ہے نشاط ماجرا ہمیں
نہیں قبول اب کوئی پیام دوسرا ہمیں
ادا شناس عظمت حدیث مصطفیٰ ہیں ہم
کہ گلشن رسول کے طیور خوش نوا ہیں ہم

ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر (نائب شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ بنارس) کی کتاب حجم کے لحاظ سے ایک متوسط درجے کی کتاب ہے، لیکن اس میں موضوع کی تفصیل اور مسائل کی تنقیح خوب ہے۔ فاضل مؤلف نے مباحث کو سلیقے سے پیش کیا ہے۔ ہم سب کے کرم فرما مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی صاحب نے کتاب کے پیش لفظ میں جس انداز سے کتاب کے مشتملات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ کتاب کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کافی ہے لیکن مصنف کی خواہش کے ساتھ اپنا بھی خیال ہے کہ گنہگار بھی خود کو اس سعادت سے محروم کیوں رکھے؟ بلاشبہ موضوع پر میری معلومات اور مطالعہ محدود ہے لیکن موضوع اجنبی نہیں ہے اور جہاں سے کتاب شائع ہوئی ہے وہاں سے بھی ایک تعلق رہا ہے، چاہوں تو غالب کی زباں میں کہہ سکتا ہوں کہ:

کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی
گو واں نہیں، پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں

آمدم برسر مطلب، یہ کتاب (عرض ناشر اور پیش لفظ کے علاوہ) مقدمہ، دو فصل اور خاتمے پر مشتمل ہے۔ مقدمے میں سبب تالیف اور طریقۂ تالیف کی وضاحت ہے اور عربی کی تین کتابوں کا ذکر ہے جس سے اس کتاب کی تیاری میں مدد لی گئی ہے۔ پہلی فصل فہم کے معانی اور اس کی اہمیت وضرورت) میں کلیدی الفاظ جیسے فہم، علم اور فقہ کے معنی اور مدلول پر علمائے لغت اور حدیث کی مستند کتابوں کی مدد سے تفصیلی بحث ہے اور اس ضمن میں فہم علم اور فقہ میں فرق کو دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کا موضوع حدیث فہمی کے بنیادی اسباب ہے، سو ''حدیث میں غلط فہمی کے اسباب'' کے ذیلی عنوان سے گیارہ اسباب (ہوا پرستی، عربی زبان سے ناواقفیت، تقلید جامد، غلو، تعصب، مقاصد شریعت سے روگردانی، منہج سلف سے اعراض، نقل پر عقل کو مقدم کرنا، علمائے حق سے دوری، ظاہریت، حدیث فہمی کے اصول وضوابط سے اعراض) کا ذکر کیا ہے اور کہیں تفصیل اور کہیں اختصار کے ساتھ بحث کی ہے اور یہ پوری بحث مدلل اور مربوط ہے۔

دوسری فصل میں حدیث فہمی کے بیس قواعد کے بارے میں مدلل اور مبسوط بحث کی ہے۔ یہ قواعد علمائے سلف کی کتابوں کے مطالعہ کا حاصل ہیں، مصنف کے ذہن کی اپج نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، ان کے افکار کو تحقیق کی خراد پر چڑھایا ہے اور مرتب انداز میں پیش کیا ہے۔

مؤلف نے حدیث فہمی کا ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ احادیث نبویہ کو سلف صالحین کی فہم کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ انہوں نے سب سے پہلے سلف صالحین کا مفہوم بیان کیا ہے اور فہم سلف کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے فوائد کا ذکر کیا ہے، جس میں صحیح مفہوم تک رسائی، بدعات سے دوری، گروہ بندی سے حفاظت، اشکالات کا ازالہ، تحریف وتناقض سے سلامتی، منہج سلف سے روگردانی کے سبب فہم حدیث میں غلطی کی مثالیں پیش کی ہیں۔ ہم نے اس قاعدہ کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ اس وقت اسلامی تراث پر نظر ثانی کا ایشو اٹھایا جارہا ہے اور یہ کہا جارہا ہے کہ آخر اسلاف کی فہم ہمارے لئے کیوں ضروری ہے؟ ہم آج کے زمانے میں کتاب وسنت کے متن کو سامنے رکھ کر دین کو کیوں نہیں سمجھ سکتے ہیں؟ مؤلف نے اس قاعدہ کی جس انداز سے تشریح کی ہے اور اس کے تمام گوشوں پر جس تحقیقی اور علمی انداز میں روشنی ڈالی ہے، اس سے کتاب کے موضوع کی تفہیم کے ساتھ اس کتاب کی ضرورت بھی سمجھ میں آجاتی ہے اور سلف صالحین کی حدیث فہمی کا اسلوب بھی۔ اسی قاعدے کے تحت انہوں نے ''بردرس'' کی ''تبلیغی خدمات'' کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اثرات بد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ بات صرف ''بردرس'' کی نہیں ہے، اب تو گلی کوچے میں بھی مٹی کے ایسے محدث اور جرح وتعدیل کے امام نظر آنے لگے ہیں۔ مجھے اپنے شہر میں ایک آدھا ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جو سوشل میڈیا کے کچے پکے لیکچر سن کر حدیث کے سرمایے کو مشکوک گرداننے لگے ہیں۔

خاتمے میں کتاب کا خلاصہ چار صفحات میں سمیٹ دیا ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موضوع پر کتنی گرفت ہے۔

تصنیف وتالیف میں ارتکاز کی اہمیت کا سب کو اعتراف ہے، لیکن کم ہی لوگ اس کو برت پاتے ہیں۔ اس کتاب میں مباحث کو غیر ضروری طور پر پھیلانے سے اجتناب کی شعوری کوشش نظر آتی ہے جو قابل تعریف ہے۔ مؤلف کے قاعدے کی پیش کش میں ایک ترتیب نظر آتی ہے جس سے قارئین کو مباحث کی تفہیم میں آسانی ہوتی ہے اور غیر ضروری الجھن اور ذہنی ورزش کی ضرورت پیش نہیں آتی ہے۔ ہر ایک قاعدہ کے لئے جو عنوان سجایا گیا ہے ان میں سے بعض کافی طویل ہو گئے ہیں، ان کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا تو اور بہتر ہوتا۔ ایک ذیلی عنوان ہے: حدیث میں غلط فہمی کے اسباب (ص: ۳۳) اس کو ''فہم حدیث میں غلطی کے اسباب'' کردیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

کتاب کی زبان کافی حد تک صاف ستھری اور سہل ہے، عربی متون کے ترجمے میں دیانت ہے۔ مؤلف نے کافی حد تک آزاد ترجمہ پیش کیا ہے لیکن متن کا مفہوم اوجھل نہیں ہونے دیا ہے۔ یہ اپنے موضوع پر مکمل کتاب ہے جس کو عربی کی معتبر کتابوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ کتابیات کے تحت کل ۲۰۱ کتابیں درج ہیں جن میں دو چار کے علاوہ سب عربی کی ہیں۔ کتاب کے مشتملات سے مصنف کی محنت، وسعت مطالعہ اور موضوع پر گرفت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس علمی کتاب کی اشاعت پر مؤلف کو بہت بہت مبارکباد اور دعا ہے کہ یہ تخلیقی سفر جاری رہے۔ عربی مدارس کے ذمہ داران اور اساتذہ سے اس کتاب کی طرف خصوصی توجہ دینے کی درخواست ہے تاکہ نئی نسل میں سلف صالحین کے مطابق فہم حدیث پیدا ہو، آمین۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

مولانا ابوصالح دل محمد سلفی

جامعہ سلفیہ بنارس میں 75واں جشن یوم جمہوریہ:

سابقہ روایات کے مطابق آج بتاریخ 26 جنوری 2024م بروز جمعہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں 75 واں یوم جمہوریہ کا جشن بڑے جوش وخروش سے سے منایا گیا، اور صبح ساڑھے نو بجے جامعہ کے گراؤنڈ میں محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظ اللہ نے جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کے ساتھ پرچم کشائی کی۔ پھر طلبہ جامعہ نے قومی ترانہ پڑھا۔ اس کے بعد محترم ناظم اعلی صاحب حفظہ اللہ کی صدارت میں " قاعۃ المحاضرات " میں ایک پروگرام منعقد ہوا۔

پروگرام کا آغاز معاذ احمد عبدالماجد کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ اس کے بعد اسامہ خالد عبدالمنان نے حمد باری تعالی اور منیر ظفر ظفرالدین نے نعت نبی اور اسامہ خالد عبدالمنان اور اس کے رفقاء نے ترانہ جامعہ اور سہیل اختر منظور عالم اور اس کے رفقاء نے ترانہ ہندی پیش کیا۔ پھر اسید یوسف عبد الرقیب نے ایک تقریر بعنوان: ''اہل وطن کے نام یوم جمہوریہ کا پیغام'' کی۔ اس کے بعد محترم ناظم اعلی صاحب حفظہ اللہ نے نہایت ہی جامع صدارتی خطاب فرمایا۔

حمد وصلوۃ کے بعد سب سے پہلے محترم ناظم اعلیٰ صاحب نے 75 واں جشن یوم جمہوریہ کی مبارک باد اساتذۂ کرام وطلبہ عزیز اور جملہ دیش واسیوں کو پیش کی۔ اور کہا کہ ہر سال 26 جنوری کو ہم یوم جمہوریہ کا جشن مناتے ہیں اور مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے ہیں۔ 26 جنوری کا یہ یوم جمہوریہ درحقیقت ہمیں اپنے علماء اور بزرگوں کی وہ خدمات اور قربانیوں کو یاد دلاتا ہے جو انہوں نے ملک کی آزادی کی خاطر اور قابض انگریزوں کے قانون کو رد کر کے آزاد ہندوستان کے لئے جمہوری دستور کے لئے دی تھی۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے، ہر کامیابی محنتوں اور مشقتوں کا متقاضی ہے، بلا جہد مسلسل اور بلا تگ ودو کے کوئی کامیابی نہیں ملتی ہے۔

لہٰذا تعلیم وتعلم سے منسلک سبھی معلمین ومتعلمین کو چاہیے کہ تعلیم وتعلم میں منصوبہ بند طریقے سے خوب محنت کریں تاکہ تعلیم وتربیت، دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کے وہ اعلی مقاصد کے حصول میں ہمیں کامیابی ملے جن کے لئے ہمارے بزرگوں کے ہاتھوں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی تاسیس عمل میں آئی تھی۔

اخیر میں محترم ناظم اعلی صاحب حفظہ اللہ نے ملک کی ترقی کے دعائیہ کلمات پر اپنے صدارتی خطاب کو ختم کیا۔ نظامت کا فریضہ کلیۃ الحدیث سال اخیر کے ہونہار طالب علم محمد فاروق انصاری نے بحسن وخوبی انجام دیا۔۔

جامعہ میں سالانہ تقریری وتحریری اور والی بال کے مسابقوں کا انعقاد:

جماعت اہل حدیث ہند کا مرکزی ادارہ "جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں زیر تعلیم طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور ان کے اندر جذبہ مسابقت پیدا کرنے کے لئے حسب روایت اس سال بھی سالانہ تقریری وتحریری اور والی بال کے کل 20 مسابقے (13 دسمبر 2023 تا 5 فروری 2024) کرائے گئے، اور پہلی، دوسری، تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے خوش نصیب طلبہ کو خصوصی انعامات اور باقی جملہ مشارکین کو تشجیعی انعامات سے نوازا گیا تاکہ طلبہ کے اندر جد و جہد، محنت ومشقت کرنے کا جوش اور علمی کمپٹیشن کے موجود دور میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہو اور قادرالکلام خطیب و ماہر قلمکار بن کر یہاں سے نکلیں اور ممتاز معلم ومدرس، باصلاحیت داعی ومبلغ، کامیاب معمار و مصلح بن کر قوم وسماج، ملک وملت کی دینی وسماجی اور ملی وسیاسی خدمات انجام دیں۔ مسابقوں اور انعامات کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

- **خطابت بزبان عربی:**

مرحلۂ کلیات (حدیث، شریعۃ، دعوۃ)

تاریخ انعقاد: 20 دسمبر 2023

مشارکین کی تعداد: 51

عنوان: خصائص المنهج السلفي

صدارت: دکتور عبدالحلیم مدنی

حکم: شیخ عبدالکبیر مدنی، شیخ طاہر سلفی

پہلی پوزیشن: آصف محمد اسرائیل

دوسری پوزیشن: دلوار حسین عبدالوہاب شیخ

تیسری پوزیشن: اصغر علی ایجاب الحق

عالم ثانی:

تاریخ انعقاد: 13 دسمبر 2023

مشارکین کی تعداد: 27

عنوان: وشبابك قبل هرمك

صدارت: دکتور محمد ابراہیم مدنی

حکم: شیخ سیف الرحمٰن مدنی، شیخ محمد مسلم مدنی

پہلی پوزیشن: محمد ذوالقرنین محمد سہراب

دوسری پوزیشن: محمد مسعود الرحمٰن۔ محمد مجیب الرحمٰن

تیسری پوزیشن: عبدالرب انیس الرحمٰن

عالم اول:

تاریخ انعقاد: 13 دسمبر 2023

مشارکین کی تعداد: 42

عنوان: وفراغك قبل شغلك

صدارت: شیخ خورشید عالم مدنی

حکم: شیخ اسرار احمد ندوی، شیخ عبداللہ زبیر مدنی

پہلی پوزیشن: مرغوب الرحمٰن شیخ شیخ محبوب

دوسری پوزیشن: عبداللہ نورالدین

تیسری پوزیشن: عبدالرحمٰن محمود علی

مرحلۂ ثانویہ:

تاریخ انعقاد: 20 دسمبر 2023

مشارکین کی تعداد: 12

عنوان: رحمة النبي ﷺ بالأطفال

صدارت: شیخ ابوصالح دل محمد سلفی

حکم: شیخ فضل الرحمٰن سلفی، شیخ مجیب الرحمٰن سلفی

پہلی پوزیشن: عمار ضیاء محمد ضیاء الحق
دوسری پوزیشن: عبداللہ انصاری انیس الرحمٰن انصاری
تیسری پوزیشن: فیض الرحمٰن عزیز الرحمٰن

-خطابت بزبان اردو:

مرحلۂ کلیات (حدیث، شریعۃ، دعوۃ)

تاریخ انعقاد: 13 دسمبر 2023
مشارکین کی تعداد: 59
عنوان: بدعنوانی اور اسلام
صدارت: شیخ مستقیم سلفی
حکم: شیخ محمد ابراہیم مدنی، شیخ محمد انس مکی
پہلی پوزیشن: فیضان احمد انسان علی
دوسری پوزیشن: محمد مرتضیٰ مصطفیٰ میاں
تیسری پوزیشن: معاذ احمد عبدالماجد

عالم ثانی:

تاریخ انعقاد: 14 دسمبر 2023
مشارکین کی تعداد: 28
عنوان: کیا اہل حدیث نبی ﷺ کو نہیں مانتے؟
صدارت: شیخ یونس مدنی
حکم: شیخ اسعد اعظمی، شیخ محمد ایوب سلفی
پہلی پوزیشن: عبدالرب انیس الرحمٰن
دوسری پوزیشن: عبداللہ سہل عبدالحفیظ
تیسری پوزیشن: خورشید عالم شمس الدین

عالم اول:

تاریخ انعقاد: 14 دسمبر 2023
عنوان: کیا اہل حدیث ائمۂ اربعہ کو نہیں مانتے؟
صدارت: شیخ طاہر حسین سلفی
حکم: شیخ صالح سلفی، شیخ فضل الرحمٰن سلفی
پہلی پوزیشن: یاسر حسان محمد اسلم
دوسری پوزیشن: فضیل الرحمٰن حماد الرحمٰن
تیسری پوزیشن: رضوان انصاری انوار احمد

مرحلۂ ثانویہ (اولیٰ، ثانیہ):

تاریخ انعقاد: 21 دسمبر 2023م
مشارکین کی تعداد: 18
عنوان: اساتذہ کا احترام
صدارت: مفتی نورالهدیٰ سلفی
حکم: شیخ صالح سلفی، شیخ ریاض احمد سلفی
پہلی پوزیشن: عبداللہ انصاری انیس الرحمٰن انصاری
دوسری پوزیشن: عمار ضیاء محمد ضیاء الحق
تیسری پوزیشن: سید حاشر اختر ایس ارشاد اختر

متوسطہ ثالثہ:

تاریخ انعقاد: 20 دسمبر 2023
مشارکین کی تعداد: 12
عنوان: اصلاح معاشرہ میں علماء کا کردار
صدارت: شیخ محمد ایوب سلفی
حکم: شیخ ریاض احمد سلفی، شیخ صالح سلفی
پہلی پوزیشن: عمر عبداللہ عبداللہ سعود
دوسری پوزیشن: فہد ارشد ارشد رشید
تیسری پوزیشن: مطیع الرحمٰن نصیر پرویز

متوسطہ ثانیہ:

تاریخ انعقاد: 20 دسمبر 2023

مشارکین کی تعداد: 23

عنوان: زبان کی حفاظت کامیابی کی ضمانت

صدارت: شیخ محمد ایوب سلفی

حکم: شیخ ریاض احمد سلفی، شیخ صالح سلفی

پہلی پوزیشن: اظہار الحق ثناء اللہ

دوسری پوزیشن: محمد عاصم رئیس احمد

تیسری پوزیشن: نور الہدیٰ عین الہدیٰ

تقریب برائے تقسیم انعامات:

بلاشبہ انعام دینے سے نفسیاتی طور پر طلبہ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ان کی علمی زندگی میں مثبت اور اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جس سے حصول علم کے ذوق و شوق کو تقویت ملتی ہے۔ کیوں کہ انعام ایک مؤثر ومحرک اور بہت ہی مفید شیء ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں نیک اعمال پر انعامات کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔

جامعہ کی عالیشان و پرشکوہ مسجد میں 15 فروری 2024، بروز جمعرات، بعد نماز عشاء تقسیم انعامات کی ایک تقریب محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ کے زیر صدارت منعقد ہوئی۔ جس میں خطابت وصحافت اور والی بال کے مسابقے میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے ہونہار طلبہ کو خصوصی انعامات اور تمام مشارکین کو تشجیعی انعامات سے نوازا گیا۔ انعامات کے لئے ایک لاکھ ستاون ہزار چھ سو پچاس (157650) روپے مختص کئے گئے تھے۔ پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو خصوصی انعام اکتالیس ہزار (41000) روپئے اور جملہ مشارکین کو تشجیعی انعام ایک لاکھ چودہ ہزار چھ سو پچاس (114650) روپئے نقد دیئے گئے۔

برنامج إتقان کا ساتواں اور آخری پروگرام:

برنامج "الإتقان لتنمية المهارات العلمية والثقافية" کا ساتواں اور آخری پروگرام 8 فروری 2024 بروز جمعرات، بعد نمازِ عشاء 'قاعة المحاضرات' میں زیر صدارت فضیلۃ الشیخ طاہر حسین صاحب سلفی رحفظہ اللہ منعقد ہوا۔ جس میں فارغ ہونے والے طلبۂ جامعہ نے الوداعی نظم وترانہ اور اپنے تأثرات پیش کئے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

پروگرام کا آغاز کلیۃ الحدیث سال آخر کے طالب علم محمد شاکر محی الدین کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ پھر محمد شریف سمرت علی (کلیۃ الشریعۃ ثالث) نے نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد صابر انیس الرحمٰن (کلیۃ الحدیث سال اخیر) اور اس کے رفقاء نے ترانۂ جامعہ بہترین آواز وانداز میں پیش کیا۔ اس کے بعد کلیۃ الشریعۃ سال اخیر کے طالب علم ثاقب اقبال اقبال حسین نے محمد فاروق انصاری محمد ثناء اللہ انصاری (کلیۃ الحدیث فائنل ایئر) کا مرتب کیا ہوا تأثراتی کلمات پیش کیا۔ اور محمد شریف سمرت علی (کلیۃ الشریعۃ سال آخر) اور اس کے رفقاء نے پرسوز انداز میں الوداعی ترانہ پڑھا۔ پھر تینوں کلیات (حدیث، شریعۃ، دعوۃ) سال اخیر کے طلبہ نے ایک بہترین ڈرامہ پیش کیا، بعدہ شاہنواز عالم مختار عالم (کلیۃ الحدیث ثالث) اور اس کے رفقاء کی طرف سے ایک الوداعی نظم بہترین الوداعی لب ولہجہ میں پڑھی گئی۔

اخیر میں صدر مجلس مولانا طاہر حسین صاحب سلفی حفظہ

اللہ نے صدارتی خطاب پیش کیا۔ جس میں انہوں نے طلبہ جامعہ خصوصا فارغ ہونے والے طلبہ کو کتاب وسنت کی روشنی میں جامع نصیحت فرمائی۔

ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر صاحب مدنی ودیگر فضلائے جامعہ سلفیہ بنارس کا ممبئی میں استقبال:

بلا شبہ شہر ممبئی وصوبۂ مہاراشٹر کی جمعیتِ ابنائے قدیم جامعہ سلفیہ بنارس ایک متحرک اور فعال جمعیت ہے، اس کی ایک قابل تعریف خوبی وامتیاز یہ ہے کہ جامعہ سلفیہ بنارس کے اساتذہ یا فضلائے جامعہ کی تکریم میں وہاں کے ابنائے قدیم استقبالیہ پروگرام کے انعقاد کا اہتمام کرتے ہیں اور مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس کے موجودہ تعلیمی وتربیتی نشاطات پر باہم گفت وشنید اور جامعہ کی ترقی کے لئے تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی 6 جنوری 2024، بروز سنیچر، بعد نماز ظہر تا عصر، صوبائی جمعیت اہل حدیث کرلا ممبئی کی آفس میں ایک استقبالیہ پروگرام کا انعقاد ہوا۔ یہ پروگرام فضیلۃ الشیخ عبدالسلام صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ کی صدارت میں جامعہ سلفیہ بنارس کے سینئر اور ذمہ دار استاذ فضیلۃ الدکتور عبدالصبور ابوبکر صاحب مدنی (نائب شیخ الجامعہ)، فضیلۃ الشیخ عبدالمتین صاحب مدنی (پرنسپل جامعہ رحمانیہ بنارس) فضیلۃ الدکتور عبدالغنی القوفی صاحب مدنی (استاذ جامعہ سراج العلوم، جھنڈا نگر، نیپال)، فضیلۃ الشیخ عبدالغنی صاحب سلفی (استاذ جامعہ اسلامیہ خیر العلوم، ڈمریا گنج، سدھارتھ نگر، یوپی) کے استقبال میں منعقد ہوا تھا۔

اس استقبالیہ پروگرام میں قدیم وجدید ابنائے قدیم جامعہ سلفیہ بنارس نے شرکت کی، اور جامعہ سلفیہ بنارس کے حالیہ نشاطات وسرگرمیوں سے متعلق گفت وشنید اور تبادلۂ خیال ہوا، بعض شرکائے مجلس نے جامعہ کے حالیہ تعلیم وتربیت سے متعلق چند سوالات کئے، جن کا تشفی بخش جواب نائب شیخ الجامعہ فضیلۃ الدکتور عبدالصبور ابوبکر صاحب مدنی حفظہ اللہ نے تفصیل سے دیا، جس سے سامعین کو تشفی وخوشی ہوئی۔ نیز بہت سے شکوک وشبہات کا ازالہ ہوا۔

اس کے علاوہ محترم نائب شیخ الجامعہ نے اپنی جماعت کے متعدد اداروں کی زیارت کی اور وہاں کے ذمہ داران ومدرسین سے ملاقات کیا، اور موجودہ حالات میں تعلیم وتربیت سے متعلق متعدد موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔ نیز وہاں کے طلبہ وطالبات کو گراں قدر پند ونصائح سے نوازا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

10 جنوری 2024، بروز بدھ کلیہ عائشہ، گونڈی کی زیارت کی، وہاں کے ذمہ داران ومدرسین سے ملاقات کی، ان کے ساتھ تبادلۂ خیال ہوا، اور طالبات کے لئے چند مفید کلمات پیش کئے۔

11 جنوری 2024، بروز جمعرات جامعۃ التوحید، بھیونڈی کی زیارت کی، ذمہ داران ومدرسین سے ملاقات کی اور مختلف تعلیمی وتربیتی موضوعات پر گفت وشنید اور تبادلۂ خیال کرتے ہوئے طلبہ کو خطاب کیا۔ اور انہیں پند نصائح کئے۔

11 جنوری 2024، بروز جمعرات ہی کو مرکز الإمام البخاری، تلولی تشریف لے گئے اور وہاں کے ذمہ داران ومدرسین سے ملاقات کی اور طلبہ کو توجیہی کلمات سے نوازا۔

☆☆☆

باب الفتاویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

مسلمانوں میں سے بہت سے حضرات لوہے کی انگوٹھی پہنتے ہیں، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

قرآن وحدیث کی رو سے جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوهاب ومنه الصدق والصواب.

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ سونا یا خالص لوہے کی انگوٹھی پہننا درست نہیں ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے لوہے کی انگوٹھی کو جہنمیوں کا زیور قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے:

أن رجلا أتى النبي ﷺ وفي يده خاتم من ذهب فأعرض النبي ﷺ عنه، فلما رأى الرجل كراهيته ذهب فألقى الخاتم وأخذ خاتما من حديد فلبسه، وأتى النبي ﷺ قال: هذا شر، هذا حلية أهل النار، فرجع فطرحه ولبس خاتما من ورق، فسكت عنه النبي ﷺ. (مسند أحمد: ٦٥١٨، الأدب المفرد: ١٠٢١) یعنی ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی، نبی کریم ﷺ نے اس سے منہ موڑ لیا، جب اس شخص نے نبی کریم ﷺ کی ناراضگی دیکھی تو سونے کی انگوٹھی اتار دی اور لوہے کی انگوٹھی لے کر پہن لی اور دوبارہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: یہ تو اور بدترین ہے یہ جہنمیوں کا زیور ہے، وہ پلٹ گیا اور اسے اتار کر پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی پہن لی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار کر لی۔

محدث عصر حضرت العلام جناب محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے اور اس کے مزید شواہد نقل کئے ہیں۔ (آداب الزفاف: ۲۱۷، غایۃ المرام: ۶۸)

اسی طرح ایک دوسری حدیث حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أن رجلا جاء إلى النبي ﷺ وعليه خاتم من شبه، فقال له ما لي أجد منك ريح الأصنام، فطرحه، ثم جاء وعليه خاتم من حديد، فقال ما لي أرى عليك حلية النار؟ فطرحه فقال يا رسول اللّه من أي شيء أتخذه؟ قال اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا. (سنن النسائی، کتاب الزينة: ٥١٩٨، أبو داود، كتاب الخاتم، ح: ٤٢٢٣)

اس حدیث کا بھی تقریباً وہی مفہوم ہے جو اوپر والی حدیث کا ہے، یہ حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔(نیل المقصود:۴۲۲۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ لوہے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، ہاں اگر انگوٹھی خالص چاندی کی یا لوہے کی ہو مگر اس پر چاندی کی ملاوٹ کرکے ملمع سازی (پالش) کردی گئی ہوتو اس کا پہننا جائز ودرست ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی لوہے سے بنی ہوئی تھی اور اس پر چاندی کی ملمع سازی کی گئی تھی جیسا کہ حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كان خاتم النبي ﷺ من حديد ملوي عليه فضة، قال فربما كان في يدي ، فكان معيقيب على خاتم رسول الله ﷺ. (سنن النسائي: ٥٢٣، أبو داود، ح: ٤٢٢٤، بيهقي في شعب الإيمان؟ ٦٣٥٢)

یعنی رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی لوہے کی بنی ہوئی تھی اور اس پر چاندی کی ملمع سازی کی گئی تھی، وہ بعض اوقات میرے ہاتھ میں ہوتی، حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی کے نگراں تھے۔

ان دونوں حدیثوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ محض لوہے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے، البتہ اس پر اگر چاندی لگی ہوئی ہوتو پھر جائز ہے۔

علاوہ ازیں صحیح بخاری کی جس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:التمس ولو خاتما من حديد. یعنی تم تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو، اس کے متعلق شارح بخاری حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

استدل به على جواز لبس خاتم الحديد ولا حجة فيه لأنه لا يلزم من جواز الاتخاذ جواز اللبس، فيحتمل أنه أراد وجوده لتنتفع المرأة بقيمته. (فتح الباري: ١٠ / ٣٢٣) یعنی اس حدیث سے لوہے کی انگوٹھی پہننے پر استدلال کیا گیا ہے حالانکہ اس میں اس کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ انگوٹھی لانا، انگوٹھی پہننے کو لازم نہیں، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کا مقصد انگوٹھی کا موجود ہونا ہو تاکہ عورت اس کی قیمت سے فائدہ اٹھا سکے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض لوہے کی انگوٹھی پہننے پر نص قطعی نہیں ہے۔اس سے لوہے کی وہ انگوٹھی مراد لی جائے جو چاندی سے ملمع ہوتو پھر کوئی حرج نہیں اگر ایسا نہیں ہے تو صرف خالص لوہے کی انگوٹھی حرام ہے جیسا کہ اوپر احادیث ذکر کردی گئی ہیں۔

جناب اسحاق بن منصور المروزی نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا: الخاتم من ذهب أو حديد يكره، فقال: أي والله" یعنی کیا سونے یا لوہے کی انگوٹھی مکروہ ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔(مسائل المروزی:۲۲۴) بحوالہ آداب الزفاف:۲۱۹)

اور یہ بات اصول کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب مطلق مکروہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے، یہی بات عمر بن الخطاب، امام مالک، امام اسحاق بن راہویہ وغیرہم سے بھی مروی ہے۔(غایۃ المرام:۶۹)

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب

ابوعفان نورالہدیٰ عین الحق سلفی

☆☆☆

PRINTED BOOK

ISSN 2394-0212

January & February 2024

Vol.XL1 No.1-2

R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Website: www.mohaddis.org

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Mohammad Ayoob Salafi

Printed at Salafia Press, Varanasi.